اِس صدی کی محبت

سکینہ فرخ

مکمل ناول
اس صدی کی محبت
سکینہ فرخ
لندن سے کراچی تک کا سفر اس کے لیے جس قدر خوشگوار اور پُر سکون تھا، کراچی سے
اسلام آباد تک کا اتنا ہی اذیت ناک بن گیا۔
پہلے تو فلائٹ ہی تین گھنٹے لیٹ تھی۔ پھر جہاز کے روانہ ہوتے ہی یہ
انکشاف ہوا کہ جہاز کا اے سی بھی ٹھیک کام نہیں کر رہا......
اوپر سے زوردار قسم کے جھٹکوں نے یوں والہانہ
استقبال کیا گویا دور دیس سے آنے
والے پردیسی کو جھپیاں
ڈال رہے

ہوں...... جہاز میں موجود لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور چھوٹے بچے گھبرا کر رونے لگے...... عملہ سیٹ بیلٹ باندھنے کا مشورہ دے کر نہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا...... طبیعت ایک دم بدمزہ ہوگئی...... مگر سفر کرنا اس کا نصیب ہوا تھا۔ چھوٹا تھا تو بابا کے آرمی میں ہونے کی وجہ سے تقریباً سارے کا سارا ملک خوب گھوما...... کبھی منگلا اور کھاریاں جیسے سرسبز و شاداب کینٹ میں رہنے کا موقع ملا تو کبھی فضا میں روحانیت لیے ہوئے ملتان کینٹ میں...... کبھی نوشہرہ تو کبھی اوکاڑہ......

بچپن کی حسین یادیں ان مقامات پر گزرے ہوئے دنوں ہی سے آراستہ تھیں...... وہ، امی، بابا اور نادیہ...... کبھی ٹرین کا سفر تو کبھی بائی روڈ اور کبھی جہاز...... اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی...... دفعتاً اس کے سامنے اسنیکس کی ٹرے دھڑ سے پٹخ دی گئی۔ وہ ایک دم یادوں کے حصار سے باہر آگیا اور چونک کر ائر ہوسٹس کی طرف دیکھنے لگا جس کے چہرے پر پیشہ ور مسکراہٹ کی جگہ بیزاری تھی۔

''ٹی آر کافی......؟'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی۔

''کافی......'' اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ کسی مشین کی طرح اس کے سامنے دھرے کپ میں کافی انڈیل کے آگے بڑھ گئی...... اس کا خفا خفا سا انداز دیکھ کر کوفت کے بجائے ہنسی آگئی...... بالکل ایسا ہی تھا جیسے کوئی ناراض بیوی، میاں کے سامنے روٹھے، روٹھے سے انداز میں کھانا پٹخ کے، منہ بنا کر آگے بڑھ جائے۔

کافی کا ذائقہ کچھ عجیب سا تھا...... شاید اوروں کے لیے ٹھیک رہا ہو مگر اسے اپنے ہاتھ کی بنی کافی کے علاوہ کوئی اور کافی بھاتی ہی نہیں تھی یا پھر ایمان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی کافی...... جو وہ شوق سے پی لیتا تھا۔ کافی پینے کی عادت اسے ایمان ہی نے ڈالی تھی جسے خود کافی پاگلوں کی حد تک پسند تھی۔

اس کا دل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ائر ہوسٹس اسی خفا، خفا انداز میں ٹرے واپس لے گئی...... اسے اس بار افسوس محسوس ہوا۔

نہ جانے ہماری قوم خوش اخلاقی اور تحمل مزاجی سے محروم کیوں ہوتی چلی جارہی ہے......؟ اس نے ایک نظر اردگرد موجود اداس، تھکے ہوئے اور بیزار چہروں پر دوڑائی...... شاذ و نادر ہی کوئی چہرہ پُرسکون نظر آیا ہوگا...... بچے تک چڑ چڑے ہو رہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بیزاری کی وجہ وہ تکلیف دہ انتظار ہو جس کے بعد جہاز پر چڑھنا نصیب ہوا تھا یا پھر وہ بار بار کے جھٹکے جسے خراب موسم کا شاخسانہ قرار دے کر عملہ بری الذمہ ہو چکا تھا...... ہوسکتا ہے لوگوں کی پریشانی کی وجہ ذاتی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ملکی حالات کی خرابی پر پریشان ہوں...... کچھ تو تھا جس نے چہروں سے زندگی کی رمق چھین لی تھی۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لی تھی۔ وہ کل رات ہی لندن سے کراچی پہنچا تھا۔

ملک سے باہر رہ کر ملکی حالات سے باخبر رہنا اور بات ہے اور ذاتی طور پر ایسی چیزوں کا سامنا کرنا بالکل دوسری بات...... شام تک جلاؤ گھیراؤ کے بعد شہر میں ہڑتال کا سا سماں تھا...... وہ نادیہ کے گھر ٹھہرا تھا...... نادیہ نے اسے ایک دو دن اور رکنے کا مشورہ دیا مگر وہ نہیں مانا...... مجبوراً نادیہ اور اشعر اپنے تینوں بچوں بلال، مناہل اور چھوٹو طلال کے ساتھ اسے ائرپورٹ تک چھوڑنے آئے۔ ائرپورٹ پہنچ کر فلائٹ لیٹ ہونے کی وعید سب کی سماعتوں پر بم کی طرح گری......

سب ایک دوسرے سے خواہ مخواہ شرمندہ ہوگئے...... وہ بہن اور بہنوئی سے اس لیے شرمندہ تھا کہ اس کی وجہ سے سارا کا سارا خاندان خوار ہو رہا تھا۔ نادیہ اور اشعر اس سے اس لیے شرمندہ تھے کہ ان کے خیال میں باہر سے آئے ہوئے مہمان پر ان کے شہر کا ٹھیک ٹھاک خراب امپریشن پڑ چکا تھا اور وہ ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''بس یہی کچھ ہو رہا ہے اس ملک میں...... اور کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔'' اشعر قدرے شرمندگی سے بولا۔

''خدا کے لیے کوئی اور بات کریں اشعر...... ہر وقت، ہر جگہ سیاست اور ملکی حالات کی خرابی کی یہ باتیں سن، سن کر میرے کان پک چکے ہیں...... سلمان بھائی یہاں آگئے ہیں اب جلد ہی یہ بھی یہاں چلنے والے ڈراموں سے واقف ہو جائیں گے۔'' نادیہ چڑ کے بولی تھی۔

''میرا خیال ہے تم لوگ اب گھر جاؤ، بچے بھی خواہ مخواہ تنگ ہو رہے ہیں، خدانخواستہ اگر فلائٹ کینسل ہوئی تو میں تم لوگوں کی طرف آجاؤں گا۔'' سلمان نے جلدی سے کہا۔

''ماما کل تو ہماری چھٹی ہے اس لیے آپ ہماری فکر نہ کریں۔'' مناہل ہنسی۔

''چھٹی...... مگر کس بات کی......؟ کل نہ تو سنڈے ہے اور نہ ہی کوئی اور موقع......؟'' سلمان نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔

''ماما...... ہنگاموں کی وجہ سے کل سارے اسکول بند ہوں گے...... میرا کل میتھس کا ٹیسٹ تھا اب وہ بھی گیا......'' بلال شوخی سے بولا۔ سلمان نے حیرت زدہ نظریں بچوں سے ہٹا کر نادیہ اور اشعر پر جمادیں...... وہ دونوں یوں شرمندہ نظر آئے جیسے حالات کی خرابی اور بچوں کے اسکول کی بندش کے سراسر ذمے دار وہی لوگ ہوں۔

''بس بھائی یہاں تو ہنگامے ہوں تو چھٹی، احتجاج ہو تو چھٹی...... ہڑتال ہو تو چھٹی...... بارش ہو جائے تو چھٹی اور تو اور اگر پاکستان کرکٹ میچ جیت جائے تو بھی چھٹی ہو جاتی ہے...... موسم گرما اور سرما کی چھٹیاں علیحدہ...... پھر عید بقرعید اور دیگر خاص مواقع پر چھٹی، ہفتہ، اتوار تو کہیں گئے نہیں...... ان سب کے بعد اگر کچھ دن بچ جائیں تو ہو جاتی ہے پڑھائی وڑھائی بھی اور کچھ کام وام بھی۔'' نادیہ شاید بہت زیادہ بھری بیٹھی تھی تپ کر بولی۔

''ایک ترقی پزیر ملک اتنی چھٹیوں کی عیاشی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔'' اشعر بے چارگی سے بولا۔

''بابا تو کب سے کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ کہیں اور سیٹل ہو جائیں مگر اشعر ناں......'' نادیہ خفگی سے اشعر کو دیکھ کر بولی۔

''ابھی تم یہ شہر چھوڑنے کو کہہ رہی ہو، کل کو پاکستان ہی چھوڑ دینے کی فرمائش کروگی پھر......؟'' اشعر ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

''ہاں تو کیا ہے...... چھوڑ دیں، بہت سارے لوگ اس ملک کو چھوڑ کر باہر جا چکے ہیں اور بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔'' وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔ گفتگو کا رخ سنجیدگی کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر اسے درمیان میں دخل دینا پڑا۔

''ہر جگہ اور ہر ملک میں رہنے کے اپنے، اپنے فائدے اور نقصانات ہوتے ہیں، ہر شخص اپنی کسوٹی پر اس فائدے اور نقصان کو پرکھ کے اپنے لیے کوئی فیصلہ کرتا ہے، تاہم یہ تو طے ہے کہ پاکستان سے باہر ہر پاکستانی دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔''

''تب بھی ٹھیک ہے بھائی، دوسرے درجے کا شہری گھاٹے کا سودا نہیں۔'' نادیہ پھر بولی۔

''رات بہت ہوگئی ہے، تم لوگ جاؤ۔'' سلمان نے گھڑی دیکھتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

''میں تو کہتی ہوں آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چلیں، آج رہنے دیں کل کی سیٹ بک کروا لیجیے گا۔ آج کا کیا پتا، ہوسکتا ہے فلائٹ روانہ ہی نہ ہو۔'' نادیہ بولی۔

''نہیں، میں چانس لینا چاہتا ہوں۔'' سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ان لوگوں کو بالآخر

زبردستی روانہ کرنے کے بعد وہ وہیں بینچ پر بیٹھ گیا...... افراتفری میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ایک غدر کا سا سماں تھا...... نہ جانے کتنی پروازیں تاخیر کا شکار ہوئی تھیں...... مسافر عجیب بے سروسامانی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ آدھے گھنٹے کے بعد چیک اِن کرنے کی نوید ملی...... اندرونی عمارت کا حال بھی باہر سے زیادہ مختلف نہیں تھا...... انتظامیہ کی نااہلی اور غیر ذمے داری اپنی جگہ لیکن لوگ بھی نظم وضبط اور صبر وتحمل سے عاری نظر آرہے تھے۔ جہاز پر سوار ہوتے ہی اس نے نادیہ کو آن بورڈ ہونے کا میسج کردیا۔

ہنگامی حالات سے نمٹنے کی تربیت کا فقدان مسائل کو کم کرنے کی جگہ اور زیادہ بڑھا دیتا ہے...... یہ سوچتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نگاہ جہاز میں سوار مسافروں پر دوڑائی...... اس کے دائیں جانب والی قطار میں بیٹھی ہوئی خاتون کی گود میں شاید سال بھر کا بچہ تھا جو ٹشو پیپر کے ٹکڑے، ٹکڑے کر کے نیچے پھینک رہا تھا اور اس کی ماں بیزار شکل بنائے ہوئے دوسری جانب دیکھ رہی تھی...... شاید تربیت کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے۔ اس نے افسوس سے سوچا۔

اس کی سیٹ کے بائیں جانب والی سیٹ پر ایک بھاری تن وتوش کے صاحب براجمان تھے جو اپنی سیٹ پر سما نہیں پا رہے تھے، اوپر سے وہ شاید اتنے زیادہ تھکے ہوئے تھے کہ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز فوری طور پر نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔ نتیجتاً جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ اس کی طرف جھکے آرہے تھے اور وہ متوقع خطرے کے پیشِ نظر بالکل الرٹ بیٹھا تھا کہ کب کس لمحے وہ اس پر مکمل آگریں۔ بائیں جانب نگاہ اٹھی تو بائیں قطار تک گئی...... ایک نوجوان جوڑا ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے سرگوشیوں میں مصروف تھا۔ لڑکی کا سر لڑکے کے کندھوں پر تھا...... اپنے وطن کی یہ ''ترقی'' اس کے لیے قابلِ غور تھی۔

ریفریشمنٹ سے فارغ ہونے کے بعد بیشتر لوگ آرام کرنے کی پوزیشن بنا چکے تھے...... ائرپورٹ پر انہوں نے کم تو نہیں جھیلا تھا لیکن وہ ایک نامعلوم سی بے چینی کا شکار نظر آرہا تھا۔

''امی اور بابا کو نادیہ نے فلائٹ کی روانگی کا بتادیا ہوگا...... نہ جانے وہ لوگ میرے انتظار میں کب تک جاگتے رہیں گے۔'' اس نے سوچا۔

ماں باپ کا خیال آتے ہی اس کا ذہن پھر سے بچپن کے بے فکر دور کی طرف مڑ گیا۔ ہر شخص کی زندگی کا سب سے سنہرا دور بلاشبہ اس کا بچپن ہی ہوتا ہے...... ماں باپ کے لیے اولاد چاہے جس عمر تک پہنچ جائے بچہ ہی رہتی ہے اور اولاد کے لیے ماں، باپ اس کی زندگی کے ہر حصے میں گھنا سایہ ہی ہوتے ہیں۔ وہ اس گھنے سائے سے کئی برس محروم رہا...... اسے پچھتاوا محسوس ہوا۔

بابا کو ریٹائرمنٹ اور اسے انگلینڈ کا ویزا ایک ساتھ ملے...... بابا بطور بریگیڈیئر ریٹائر ہوئے تھے اور اسلام آباد ہی میں سیٹل بھی ہونے جارہے تھے۔

بابا ریٹائرمنٹ سے پہلے بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد باقی کی زندگی بیٹے اور اس کی متوقع فیملی کے ساتھ ہنسی خوشی گزارنے کا پلان دل میں لیے بیٹھے تھے جب ان کو سلمان کے باہر جانے کی ''خوشخبری'' ملی۔ وہ ایک دم شاک میں آگئے۔ سلمان کا خیال تھا کہ امی، بابا دونوں صحت مند ہیں، سوشل ہیں اور ایک انتہائی متحرک زندگی گزارنے کے بعد زندگی کو...... بھرپور طریقے سے گزارنے کے فن سے آشنا ہو چکے ہیں اس لیے وہ بڑے آرام سے اس کے بغیر بھی رہ لیں گے...... اور یہی اس کی بھول تھی۔ اس کی روانگی کے فقط ایک ماہ بعد ہی بابا کو پہلا ہارٹ اٹیک ہوا...... امی تو سکتے میں تھیں اور نادیہ کا رو رو کر برا حال تھا اور خود اس کی

سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے...... اس کی ایف آر سی ایس کی کلاسوں کا آغاز ہو چکا تھا...... نہ تو پاکستان آنا آسان تھا اور وہاں رکے رہنا اور بھی زیادہ مشکل......

جہاز نے ایک زوردار جھٹکا لیا...... وہ خیالات کی وادیوں سے حقیقت کی دنیا میں واپس آگیا...... دو تین مزید جھٹکوں کے بعد مسافر ہڑبڑا کر سیدھے ہوگئے...... پے درپے ہوائی حادثوں نے لوگوں کو اچھا بھلا ڈرا کر رکھ دیا تھا...... تھوڑی دیر میں جہاز کی حالت نارمل ہوئی تو لوگوں کے چہروں سے وحشت بھی کم ہوئی اور وہ دوبارہ آرام سے بیٹھ گئے......

موت کا خوف انسان کو جینے نہیں دیتا یہ عجیب بات ہے...... حالانکہ جو بات یقینی ہے اس سے خوفزدہ ہونا بے معنی ہے اور اس کے انتظار میں لمحے گن، گن کر کاٹنا ایک دوسری حماقت...... البتہ اس مہلت کا درست استعمال ہی اصل کامیابی ہے...... نہ جانے عمر کا تقاضا یا حالات کی تبدیلی...... اب سفر میں وہ مزہ نہیں آتا جو بچپن میں آتا تھا...... اس نے آگے والی رو میں بیٹھی ایک خاتون کو دیکھا جو اپنے ڈھائی تین سالہ بیٹے کو غالباً واش روم لے جانے کے لیے اٹھی تھی۔ بچہ ماں کا ہاتھ تھامے ہر فکر سے بے نیاز اور قدرے نیند میں نظر آرہا تھا۔ اس عورت کے چہرے پر ممتا دیکھ کر اسے اپنی ماں یاد آگئی۔

ماما بچپن میں اسے ایسے ہی ہر قدم پر سہارا دیتی آئی تھیں...... سفر کے دوران وہ اس کا اور نادیہ کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتی تھیں...... سفر کا آغاز ہوتے ہی وہ بچوں پر سفر کی دعائیں پڑھ، پڑھ کر پھونکا کرتی تھیں جب وہ دونوں کچھ بڑے ہوئے تو وہی دعائیں انہیں یاد کروائیں...... دعائیں مانگنا اب وہ بھول چکا تھا۔ اس نے ذہن پر زور ڈال کر وہ ساری دعائیں یاد کرنے کی کوشش کی مگر بے سود...... ذہن کی سلیٹ خالی تھی۔ نہ جانے اس کی وجہ درمیان میں گزرے ہوئے وہ اَن گنت سال تھے یا پھر ایک ایسے دیس کی آب وہوا جو اس کی مٹی سے میل نہیں کھاتی تھی۔

اس نے ایما سے شادی کے وقت بڑے زور شور سے شرط رکھی تھی کہ شادی سے پہلے ایما کو مسلمان ہونا پڑے گا...... ایما یہ سن کر چونکی تھی، مسکرائی اور پھر بڑے آرام سے مسلمان ہوگئی...... اور اس کے بعد وہ مطمئن ہو کر زندگی کی شاہراہ پر آگے اور آگے بڑھتا چلا گیا، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا...... نہ مذہب، نہ ماں، باپ، نہ وطن...... سب خود بخود ماضی کا حصہ بن گئے تھے۔ ایما کے ساتھ زندگی اچھی گزر رہی تھی...... وہ اسے لے کر صرف ایک بار پاکستان آیا تھا جب ایان دو برس کا تھا۔

ایان کی صورت دیکھ کر بابا کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا...... ورنہ وہ ایما سے اس کی شادی پر اتنے زیادہ ناراض نہیں تھے جتنے عائلہ سے شادی نہ کرنے پر تھے۔ ماما تو ہر صورت میں اپنے اکلوتے بیٹے سے محبت کے ہاتھوں مجبور تھیں...... ایک خوشگوار ٹرپ کے بعد وہ مطمئن اور مسرور انگلینڈ واپس لوٹ گیا...... چند سال اور خیریت سے گزر گئے...... جھٹکا تو تب لگا جب بابا کی تشویشناک حالت اور ماما کی پریشانی کی خبر اس تک پہنچی...... بابا آہنی اعصاب والے ایک باہمت فوجی ہی سہی...... مگر تنہائی اور بڑھاپا بڑی، بڑی چٹان جیسی قدآور شخصیات کو بھی... بھربھری ریت کی طرح زمیں بوس کر دیتا ہے...... بیماری سے زیادہ وہ تنہائی سے مار کھا گئے تھے...... دوسرا اٹیک ان کی برداشت سے باہر ہوگیا تھا۔

شادی کے چند خوب صورت سالوں کے بعد پہلی بار اس کا اور ایما کا جھگڑا ہوا...... اس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تھا اور ایما جو ایمان بن چکی تھی پُر زور مخالفت پر اُتر آئی۔

پائلٹ کی اناؤنسمنٹ اسے ماضی کے سفر سے

ایک دم حال میں واپس لے آئی۔

''ہم معذرت خواہ ہیں...... موسم کی انتہائی خراب صورت حال کے سبب ہم بے نظیر انٹرنیشنل ۔ ائرپورٹ پر لینڈ ہونے میں ناکامی کے بعد لاہور کی طرف رخ کر چکے ہیں...... اور امید ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وہاں بحفاظت لینڈ کر رہے ہوں گے...... تکلیف کے لیے ایک بار پھر معذرت......'' مائک آف ہوگیا...... لوگ حیرانی و پریشانی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے...... پھر مختلف بڑبڑاہٹوں کے ساتھ لوگوں کی آوازیں بتدریج بلند ہونے لگیں۔ ہر ایک کسی نہ کسی مقصد کے تحت یہ سفر کر رہا تھا۔ کسی کو اسلام آباد پہنچ کر اگلے دن کسی شادی میں شریک ہونا تھا تو کسی کو انٹرویو دینا تھا اور کوئی فوتگی میں جا رہا تھا...... جہاز کے عملے کے لیے مسافروں کو مطمئن کرنا مشکل ہوگیا۔

''اگر موسم خراب ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور...... آپ لوگ ہم پر خواہ مخواہ غصہ نکال رہے ہیں۔'' ایک تنک چڑھی ائرہوسٹس خفگی سے بولی۔

''اور اگر پائلٹ زبردستی اسلام آباد میں لینڈ کرنے کی کوشش کرے اور کوئی حادثہ پیش آجائے تو ذمے داری کس کی ہوگی......'' ایک اسٹیورڈ نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ اس کی بات درست تھی...... مسافروں میں پھیلی ہوئی کھلبلی قدرے کم ہوئی۔ قسمت کا لکھا پورا ہو کے رہتا ہے لوگ یہ سوچنے کے بجائے ہر پیش آنے والی مصیبت کا ذمہ کسی نہ کسی پر ڈال کر خود بری الذمہ ہوجاتے ہیں...... آج تک کسی نے کہا ہے کہ میرے پڑوسی بہت اچھے ہیں، میرے رشتے دار بڑے تعاون کرنے والے ہیں یا پھر حکومت بڑے اچھے کام کر رہی ہے......؟ خود وہ کیا کر رہے ہیں، یہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی اپنی قسمت پر صابر و شاکر بننا آتا ہے۔ اس نے مسافروں کے خفگی اور ناراضی بھرے انداز کو نوٹ کرتے ہوئے سوچا۔

بات فلائٹ کے delay ہونے سے لے کر divert ہونے تک اور اس کے بعد حکومت کی نااہلی اور اللہ کے عذاب تک چلی گئی تھی۔ ہر ایک اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ کچھ مسافروں اور عملے کے اراکین میں تو، تو میں، میں چل رہی تھی...... بچے گھبرا کے رو رہے تھے...... جہاز کا ماحول مچھلی بازار کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ صبر و تحمل، برداشت اور خوش اخلاقی ہمارے مذہب کی تعلیمات کا حصہ ہیں لیکن عمل پیرا دوسری قومیں ہیں...... یہ بات اس نے دیارِ غیر میں ایک طویل قیام کے بعد محسوس کی تھی۔

کوفت کا شکار تو وہ بھی تھا، اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ماں، باپ سے ملنے کی جتنی جلدی تھی، نہ جانے کیوں اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔ عجیب بات تھی، وہ اپنی زندگی میں پہلے اتنا مگن تھا کہ ہفتے، مہینوں میں اور مہینے، سالوں میں کھٹا کھٹ تبدیل ہوتے رہے اور اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا لیکن بابا کی بیماری اور وہ بھی دل کی...... اس دل کی جس کا وہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر اور سرجن تھا...... نے اسے جس احساسِ جرم میں مبتلا کیا اس احساس نے اس کی زندگی کے گزرنے والے لمحوں کو صدیوں کے برابر لمبا بنا دیا تھا۔

پچھلا سال اس کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ سال تھا۔ وہ کچھ سالوں کے لیے پاکستان جانا چاہتا تھا...... کم سے کم امی اور بابا کی زندگی تک کے لیے...... وہ ان دونوں کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس داغِ ندامت کو دھونا چاہتا تھا جو ماں، باپ کو...... بے آسرا چھوڑ کر آنے کے بعد خود بخود اس کے ماتھے پر چمکنے لگا تھا۔ اس نے ایمان کو سمجھانے کی کوشش کی...... ایمان ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''کیا بے وقوفی ہے سلمان...... لوگ تمہارا ملک چھوڑ کر باہر بھاگ رہے ہیں...... حالات دیکھے

ہیں تم نے وہاں کے......؟ اور تم ایک انتہائی کامیاب اور بہترین زندگی چھوڑ کر واپس جانا چاہتے ہو...... کیوں......؟''

''اس لیے کہ وہاں میرے ماں، باپ ہیں۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''ابھی یاد آرہا ہے کہ وہاں تمہارے ماں، باپ ہیں...... پہلے ان کا خیال نہیں آیا؟'' وہ طنز سے بولی۔

''پہلے تو شاید نہیں مگر اب انہیں میری ضرورت ہے۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''تو ٹھیک ہے، انہیں یہاں بلالو...... یہاں ان کا خیال رکھ لینا۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''وہ یہاں نہیں آنا چاہتے...... میں یہ کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ان کی مرضی...... لیکن تمہارا بھی وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے، میرا مطلب ہے جانا چاہتے ہو تو کچھ دنوں کے لیے ان سے ملنے جاؤ لیکن ہم کچھ سالوں کے لیے وہاں نہیں رہ سکتے۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''ہم واپس آجائیں گے...... بس میں انہیں ایسی حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا...... بابا کی حالت خطرناک ہے...... کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' اس نے ایمان کو سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

''سلمان آئی ایم سوری...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ایک سال نہ دو سال...... میں اور ایان پاکستان نہیں جاسکتے اور نہ ہی وہاں رہ سکتے ہیں...... تمہیں اگر جانا بہت ضروری لگتا ہے تو تم جاؤ...... آگے فیصلہ تمہارا ہے۔'' ایمان بات ختم کر کے اس کا جواب سنے بغیر باہر چلی گئی...... اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ بیزاری کی آخری حدود پہ پہنچ کے اسے جانے کی اجازت دے کر ناراض ہو کے گئی ہے۔

''کیا ہمارا ساتھ اب ختم ہونے جا رہا ہے؟'' اس نے سوچا۔

ایمان کوئی مشرقی عورت تو تھی نہیں جو دیارِ غیر میں روزگار کے لیے گئے ہوئے مردوں کے پیچھے اُن کے انتظار میں زندگی کے کئی سنہرے سال برباد کرلیتی ہیں...... وہ اس مغربی ماحول کی پروردہ عورت سے اپنے انتظار میں بیٹھے رہنے کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ ایشیائی مرد جب مغربی عورت کی طرف اٹریکٹ ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کو اس عورت کا پریکٹیکل انداز متاثر کرتا ہے...... اور پھر بھی زندگی میں کوئی جذباتی یا دکھ کے لمحات آتے ہیں تو یہی پریکٹیکل مائنڈڈ بیویاں اپنے ایشیائی شوہروں پر ہنستی ہیں۔ ان کی بے وقوفی کا مذاق اڑاتی ہیں...... وہ دکھ کے اس لیول پر آکے انہیں سمجھ ہی نہیں پاتیں...... اور یہی اس کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔ اسے ایمان کی پریکٹیکل باتیں زہر لگ رہی تھیں۔ ویسے بھی مغربی معاشرے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ہمدردی صرف پالتو یا غیر پالتو جانوروں سے رکھی جاتی ہے...... انسان اس زمرے میں نہیں آتے، ان کے نزدیک ایک ہٹا کٹا چلتا پھرتا آدمی کسی بھی ہمدردی کے لائق نہیں ہوتا...... ''دل'' صرف مشرق کا مسئلہ ہے...... مغرب کا نہیں وہاں عقل چلتی ہے...... اور فی الحال سلمان دل کی سننا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے کوئی بھی قیمت چکانی پڑے...... اور ویسے بھی جتنی انا مشرقی مردوں میں ہوتی ہے وہ مغرب کے ٹھنڈے ٹھار ماحول میں عارضی طور پر برف پڑنے سے جم تو سکتی ہے فنا نہیں ہوسکتی سو غصے کی آنچ نے برف پگھلا دی تھی......

علامہ اقبال انٹرنیشنل ائرپورٹ پر لینڈ کرنے کی اطلاع کے ساتھ مسافروں نے مُردہ دلی سے اپنا، اپنا سامان اکٹھا کرنا شروع کردیا۔

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے...... اس نے ساری صورتِ حال نادیہ اور امی کو میسج کر کے انہیں سو جانے کا مشورہ دیا...... اب اگلی صبح سے پہلے

کوئی بھی فلائٹ ملنی ناممکن تھی...... وہ اپنا بیگ اٹھا کے جہاز سے باہر آ گیا۔

نادیہ نے دوپہر میں اصرار کر کے اسے جو کھانا کھلایا تھا وہ اب ہضم ہو چکا تھا...... جہاز میں بھی صرف اسنیکس ہی سرو کیے گئے تھے اور اب رات کے کھانے کا وقت بھی گزر چکا تھا...... اور نہ ہی کوئی امید تھی کہ کوئی اِن بھوکے پیاسے مسافروں کا پُرسانِ حال ہوگا...... ائرلائن والے کم از کم اس اصول کی پاسداری ضرور ... کر رہے تھے کہ کھانے کا وعدہ جب انہوں نے کیا ہی نہیں تو پورا کیوں کریں......؟ چاہے فلائٹ لیٹ ہو جائے چاہے آدھے ملک کا چکر لگانے کے بعد گھوم پھر کے کہیں اور اتر جائے اس سے کسی کو کیا مطلب...... اب وہ سوچ رہا تھا کہ رات کیسے گزرے گی؟

☆☆☆

''تو اس نے آنے کا فیصلہ کرلیا ہے......'' بریگیڈیر صاحب نے اخبار تہ کرتے ہوئے سائڈ ٹیبل پر رکھا اور بیوی کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جی......'' چائے میں چینی ملاتی ہوئی ارسلہ کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکے پھر انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ہوں......'' ان کی ہوں بہت گہری تھی۔

''اکیلے ہی......؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

ارسلہ کا جواب دوبارہ مختصر تھا۔

''جی......'' انہوں نے کہتے ہوئے چائے کا کپ اُن کی طرف بڑھایا۔ ان کے لیے تو بریگیڈیئر صاحب کا رعب اور مزاج پہلے ہی بہت تھے اب ان کی بیماری نے ارسلہ کو مزید محتاط کر دیا تھا...... اُن کی کوشش یہی ہوتی کہ کوئی بھی ایسی بات نہ ہو جو اُن کی طبیعت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو...... ڈاکٹرز نے وارن کر دیا تھا کہ وہ تیسرا اٹیک بالکل برداشت نہیں کر سکیں گے۔

''تمہیں یاد ہے، ایک بار بچپن میں اس نے چیتے کا بچہ پالنے کی ضد پکڑ لی تھی۔'' انہوں نے چائے کے پہلے گھونٹ کے ساتھ ایک دم پوچھا۔

''جی......'' ارسلہ نے کچھ یاد آنے نہ آنے کے انداز میں آنکھیں سکوڑیں۔

''ہم اس وقت مری میں پوسٹڈ تھے...... کلڈنہ میں ہمارا گھر تھا...... وہاں کھائیوں میں اکثر چیتے نکل آتے تھے...... اس وقت وہ پانچ برس کا تھا...... بس لوگوں سے سن لیا...... اور چیتے کی ضد شروع ہو گئی۔''

''اور تب آپ اس کے لیے بلی کا ایک خوب صورت سا بچہ لے آئے تھے اور وہ مان بھی گیا تھا۔'' ارسلہ کو ایک دم یاد آ گیا۔

''نہیں...... وہ مانا نہیں تھا، خاموش ہو گیا تھا...... اسے معلوم تھا کہ وہ بلی کا بچہ ہے...... اس کے پاس چیتوں اور شیروں کی بہت ساری تصویریں تھیں...... وہ بلی اور شیر کا فرق جانتا تھا بس وہ بلی کا بچہ اسے پسند آ گیا تھا اس لیے اس نے اور ضد نہیں کی...... اور اس کا نام ٹائیگر رکھ دیا تھا۔'' وہ ہنسے۔

ارسلہ انہیں ہنستے دیکھ کر مسکرائیں ان کی جان میں جان آ گئی تھی۔

''وہ شروع ہی سے ضدی تھا۔ کرتا وہی تھا جو خود اسے پسند ہو......'' وہ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دوبارہ گہری سوچ میں گم ہو گئے۔

''میں اسے فوج میں بھیجنا چاہتا تھا اور وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔'' وہ بولے۔

ارسلہ دَم سادھے خاموش رہیں۔

''پھر میں چاہتا تھا کہ وہ پاکستان میں رہے...... میرے پاس مگر وہ باہر جانا چاہتا تھا پہلے اعلیٰ تعلیم کے لیے اور پھر اس کا دل وہیں لگ گیا۔'' انہیں مزید یاد آیا۔

ارسلہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہیں۔

''اور پھر میں چاہتا تھا کہ وہ عائلہ سے شادی کرلے لیکن یہاں پر بھی وہ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر کے ایمان کو لے آیا۔'' بریگیڈیر صاحب ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''اور اب وہ سب کچھ چھوڑ کے پاکستان آ رہا ہے اور آپ منع کر رہے ہیں۔'' ارسلہ بولیں...... ان کی آواز دھیمی تھی۔

''بالکل...... اور میں جانتا ہوں وہ اس بار بھی اپنی ہی کرے گا...... بہت جذباتی ہے، اب بچہ نہیں رہا مگر اس میں ابھی تک میچورٹی نہیں آئی ہے۔'' وہ خفگی سے بولے۔

''مگر وہ آپ کے لیے آ رہا ہے...... آپ کی بیماری، ہماری تنہائی اور بڑھاپے کا احساس کر کے......'' ارسلہ فوراً بولیں۔

''اب اس کا کوئی فائدہ نہیں...... میرے پاس اب زیادہ ٹائم نہیں ہے، جو وقت میں اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا وہ تو کب کا گزر چکا...... اب وہ آ کے زیادہ سے زیادہ ایک آدھ سال کے بعد میرے جنازے کو کاندھا ہی دے سکتا ہے...... اس کی ضرورت اب اس کے بیوی اور بیٹے کو تھی...... اور وہ انہیں چھوڑ کے آ رہا ہے۔'' وہ اور زیادہ خفا ہو گئے۔ ''وہ ایسا کیوں ہے...... صرف اپنے دل کی سنتا ہے چاہے صحیح ہو یا غلط......'' وہ چڑ کے بولے۔

''وہ آپ کی بیماری سے بہت زیادہ پریشان ہے...... اور آپ اس کے پاس انگلینڈ جانا نہیں چاہتے...... پھر وہ کیا کرے......'' ارسلہ نے بیٹے کی طرف داری کی۔

''ہاں تو میں ٹھیک چاہتا ہوں، یہ میرا وطن ہے، سر پہ کفن باندھ کے میں نے اپنی جوانی اس کی سرحدوں کی حفاظت میں گزاری...... اب بڑھاپے میں مرنے کے لیے کہیں اور چلا جاؤں...... یہ ناممکن ہے۔ مجھے اسی خاک پر دم توڑنا ہے اور پھر اسی میں مل جانا ہے۔'' وہ غصے سے بولے۔

''دیکھیں آپ جو چاہتے ہیں ضرور کیجیے...... مگر یوں غصہ نہیں کیجیے ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' ارسلہ جلدی سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں اور آہستہ آہستہ ان کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

''وہ آئے گا...... اس سے کہنا واپس چلا جائے...... اپنی بیوی اور بیٹے کو وقت دے، ان کا خیال رکھے۔'' انہوں نے اس بار قدرے آہستہ سے کہا۔

ارسلہ ان کو کیا بتاتیں کہ وہ تو وہاں کے سارے باب بند کر کے آ رہا ہے...... فی الوقت ان کو تسلی دینے کے لیے بولیں۔

''ٹھیک ہے، آپ جو چاہتے ہیں وہی ہوگا، ایک بار اسے آنے تو دیں۔''

''نادیہ کب آئے گی؟'' انہیں ایک دم بیٹی کا خیال آیا۔

''نادیہ تو اب گرمیوں کی چھٹیوں ہی میں آ پائے گی...... بچے اسکول جانے والے ہیں، اسے تو فرصت تب ہی ملے گی۔'' ارسلہ نے ان کا دھیان بٹتے دیکھ کر شکر ادا کیا۔

''میری بیٹی سمجھ دار ہے...... اور اشعر بھی اچھا لڑکا ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''بالکل......'' انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی

''سارا قصور بریگیڈیر رضا کا ہے۔'' انہوں نے ایک دم کہا۔

''جی......؟'' وہ اشعر کے والد کا نام سن کر حیران ہو گئیں۔

''تو اور کس کی غلطی ہے...... کس نے کہا تھا کہ کراچی میں سیٹل ہو جاؤ...... خود تو سیٹل ہوا ہی ہوا، اپنے ساتھ اشعر کو بھی لے گیا۔'' انہوں نے کورس میٹ پر غصہ نکالا۔

''بھئی وہ کراچی کے رہنے والے تھے...... ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں وہیں جانا تھا...... اور اشعر ان کا اکلوتا بیٹا ہے...... اسے بھلا وہ کیوں

چھوڑتے......" وہ حیران ہو کے بولیں۔

"ہاں مگر وہ میری بیٹی کو بھی تو لے گیا......" انہوں نے بچوں کی طرح شکایتاً کہا۔

"یہ تو آپ کی غلطی ہے...... آپ نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی نادیہ کے لیے اشعر کا پروپوزل قبول کرلیا...... اس وقت نہیں سوچا تھا کہ بیٹی اتنی دور چلی جائے گی۔" ارسلہ اداسی سے بولیں۔

"اس وقت سلمان جو میرے پاس تھا...... مجھے کیا معلوم تھا......" انہوں نے تھکے، تھکے لہجے میں کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"گزری باتوں پر افسوس کرنا بیکار ہوتا ہے، آگے کا سوچیں......" انہوں نے باتوں کا رخ سلمان کی طرف مڑتے دیکھ کر فوراً کہا۔

"تمہیں یاد ہے جب میں کھاریاں میں تھا اور یونٹ کمانڈ کر رہا تھا، اس وقت سلمان ایٹھ کلاس میں تھا...... کرنل جنجوعہ کی فیملی ہمارے گھر ڈنر پر انوائٹڈ تھی...... ان کا بیٹا...... اظفر، ہاں اظفر ہی نام تھا اس کا...... وہ سلمان کا کلاس فیلو تھا...... وہ اور سلمان دونوں مل کر باہر لان میں خوب اودھم مچا رہے تھے...... نہ جانے وہ فٹ بال کی کِک تھی یا کرکٹ کا چھکا...... لان میں لگی فینسی لائٹ ٹوٹ گئی۔ زوردار چھنا کا ہوا۔ نہ جانے کس کی غلطی تھی مگر دونوں خاموش تھے۔ شرمندہ بھی نظر آرہے تھے۔ اس وقت تو گھر آئے ہوئے مہمانوں کی وجہ سے میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا بلکہ الٹا تسلی دی کہ کوئی بات نہیں...... مگر مجھے غصہ تھا...... اظفر پہ نہیں، سلمان پر...... کیونکہ وہ میرا بیٹا تھا...... میں اسے ڈانٹا نہیں چاہتا تھا مگر یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ مجھے سوری ضرور کہے...... مگر اس نے نہیں کی...... اگلی صبح میرے باہر آنے سے پہلے ہی وہ بیٹ مین کو بازار بھیج کر بالکل اسی طرح کی لائٹ منگوا چکا تھا...... میں غصے میں تھا، دفتر گیا تو یہ سارا واقعہ بھول بھال گیا مگر جب میری جیپ گھر کے اندر داخل ہوئی اور مجھے رات والا واقعہ یاد آیا تو مجھے نئے سرے سے غصہ آنے لگا...... مگر میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب میں نے لائٹ کو درست حالت میں دیکھا...... مجھے گمان ہوا کہ یہ انفی شیئسی شاید آپ نے دکھائی ہے مگر اسی وقت درخت کے پیچھے سے سلمان نکل کے باہر آ گیا...... میرے قریب آیا اور بولا۔

"بابا...... آئی ایم سوری...... کل میری غلطی کی وجہ سے ایک نقصان بھی ہوا اور آپ کے ڈنر کا ماحول بھی اپ سیٹ ہوا...... میں نے اپنی پاکٹ منی سے نیا شیڈ اور لائٹ لگوا دی ہے...... اور اب آپ سے سوری کر رہا ہوں۔"

"لائٹ لگوانے کی ایسی خاص ضرورت تو نہیں تھی...... اور سوری تو تم کل بھی کر سکتے تھے۔" میرا غصہ ایک دم کم ہو گیا تھا۔ وہ پھر بولا۔

"بابا اگر میں کل سوری کرتا تو وہ سوری صرف زبانی معذرت ہی رہ جاتی...... میری غلطی کا ازالہ نہیں بنتی...... میرے خیال میں میری غلطی کو ٹھیک کرنا بھی میری ذمے داری ہے۔"

ارسلہ کو سب یاد تھا...... اکلوتا بیٹا اور اس سے وابستہ ساری یادیں...... مگر وہ جتنا ہی موضوع بدلنا چاہتیں بریگیڈیر صاحب کی تان وہیں آکے ٹوٹتی...... وہ جانتی تھیں کہ اٹھتے بیٹھتے بیٹے کو یاد کرتے رہتے ہیں...... بالخصوص جب سے بیمار پڑے تھے۔ انہیں اپنی سروس کے اور بچوں کے بچپن کے واقعات ایک تواتر سے یاد آئے چلے جا رہے تھے۔

"لیکن ایک غلطی کو ٹھیک کرنے کے لیے دوسری غلطی کرنا...... اس سے بڑی غلطی ہے...... بلکہ جرم ہے...... اور اب وہ یہی کرنے جا رہا ہے...... اسے روکو......" وہ ایک دم بولے۔

ارسلہ خود کو چکی کے دو پاٹوں میں گھرا ہوا محسوس کر رہی تھیں...... انہیں ایسے میں عائلہ یاد آئی۔

ایسی مشکل صورتِ حال میں وہی کام آسکتی تھی...... وقاص اس کی بہت مانتے تھے...... ان کی لاڈلی بھتیجی جو تھی...... خوش قسمتی سے اس وقت وہ پنڈی ایم ایچ میں پوسٹڈ تھی۔ انہوں نے فوراً اس کا نمبر ملایا۔

☆☆☆

گائنی او پی ڈی میں حسبِ معمول بے تحاشا رش تھا۔ حالانکہ آفیسرز فیملی ڈے تھا مگر پنڈی میں آفیسرز کی تعداد ہی کون سی کم تھی...... پھر ایمرجنسی بھی ساتھ ساتھ لگی رہتی تھیں۔ تین، تین اسپیشلسٹ مل کے بھی پیشنٹ بھگتانے میں ناکام رہتیں۔

"میجر عائلہ...... میں آپریشن تھیٹر جا رہی ہوں...... ایمرجنسی ہے...... اِدھر کا آپ سنبھالیں۔" کرنل رفعت اسے آرڈر کرتی ہوئی ہوا کے جس گھوڑے پر آئی تھیں اسی پر روانہ ہو گئیں۔ اس کا دل چاہا کہ اپنا سر پکڑ لے۔

"اُف عائلہ، کس نے کہا تھا کہ ڈاکٹر بن جاؤ...... وہ بھی آرمی میڈیکل کور کی۔" اس نے دل ہی دل میں خود کو کوسا...... زور سے اس لیے نہیں بول سکتی تھی کہ سامنے مسز کرنل ایاز بیٹھی اپنے مسائل کا رونا رو رہی تھیں اور اسے ان کی سنیارٹی کے پیشِ نظر سب کچھ مسکرا مسکرا کر سننا بھی ضروری تھا۔

وہ رش کی وجہ سے ٹی بریک کے لیے بھی نہیں گئی تھی...... وہ اکثر ایسا ہی کرتی تھی...... جب سر پر کام سوار ہو تو کھانے پینے کا کس کو ہوش ہوتا ہے...... کھانے پینے کی وہ سدا سے چور تھی...... پہلے بھی ماما کھانا اس کے پیچھے لے کر بھاگا کرتی تھیں اور اب تو وہ ماما سے بہت دور آچکی تھی...... ماما کراچی میں اور وہ فی الوقت پنڈی میں تھی۔ ویک اینڈ پر وہ چاچو کے پاس اسلام آباد چلی جاتی۔ یہ اس کے لیے زبردست انجوائے منٹ تھی...... اس نے اسٹاف لیفٹیننٹ ساجدہ سے باہر کی صورتِ حال کا پوچھا۔

"میڈم ابھی پانچ چھ لیڈیز اور باقی ہیں...... لیکن کیپٹن ارم بھی ابھی تک موجود ہیں۔ شاید آدھے گھنٹے تک نمٹ جائے۔"

عائلہ نے ٹائم دیکھا...... ایک بج چکا تھا...... او پی ڈی کا ٹائم بھی ختم کے قریب تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ دفعتاً اس کا موبائل بج اٹھا۔ دوسری طرف ارسلہ چاچی تھیں۔ وہ بے وقت کال تو کبھی نہیں کرتی تھیں۔ "خدا کرے سب ٹھیک ہو۔" چاچو ویسے ہی اسے ہر لحہ ڈرائے رکھتے تھے۔ اس نے جلدی سے فون پک کیا۔

"سب خیریت ؟" سلام دعا کے بعد اس کے منہ سے نکلا۔

"سلمان آرہا ہے۔" موبائل ایک لمحے کو اس کے ہاتھ میں کانپ گیا۔ دل زور سے دھڑکا...... اور ہتھیلی پسینے سے نہا گئی۔

"تمہارے چاچو بہت پریشان ہیں۔" ارسلہ چاچی کی آواز میں پریشانی تھی۔

"سلمان کے آنے پر انہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ وہ پریشان کیوں ہیں...... اور مجھے تو آپ بھی پریشان لگ رہی ہیں؟" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"سلمان سب کچھ چھوڑ کر مستقلاً آرہا ہے...... بڑی ٹینشن ہے...... تم آجاؤ وقاص کو سنبھالو...... وہ بہت اپ سیٹ ہیں۔"

اپ سیٹ تو وہ بھی ہو گئی تھی۔

اس مرتبہ اس نے چھٹی پلان کی تھی...... ویک اینڈ کو ملا کر چودہ دن بن رہے تھے...... ماما اور بابا کو دیکھنے کا بھی بڑا دل چاہ رہا تھا۔ پھر کاشف اور عائزہ بھی آرہے تھے۔ شارجہ سے...... اس دفعہ اسلام آباد کا تو پروگرام بالکل بھی نہیں تھا مگر چاچو......

"ٹھیک ہے، میں کل شام کو آؤں گی اور آپ کو پِک کرتی ہوئی کراچی جاؤں گی۔" اس نے فوراً کہا۔

"تھینک یو بیٹا...... تمہاری وجہ سے مجھے بہت

ڈھارس ہے۔'' وہ خوش ہو کے بولیں۔

''شکریے کی کیا بات ہے چاچی...... میں تو آپ کی بیٹی ہوں ناں......'' اس نے ہنس کر کہا۔

''ہاں بالکل......'' ان کی آواز میں اداسی تھی۔

''پھر ملتے ہیں......'' اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر اس نے مریضاؤں کو کیسے بھگتایا...... کب کام ختم کیا...... اور کب میس پہنچی، اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ ذہن بس ایک نام میں اٹک گیا تھا۔ اٹکا تو بہت پہلے سے تھا...... وہ تو اس نام سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی رہتی تھی مگر وہ تو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے سامنے آ کے کھڑا ہو جاتا تھا۔

''سلمان تم پلیز میری زندگی سے نکل جاؤ...... مجھے جینے دو۔'' وہ صبح کی بھوکی تھی مگر پہلے کھانے کا ٹائم نہیں تھا...... اور اب سلمان کا نام سن کر بھوک غائب ہو گئی تھی۔ اس نے ایک کپ کافی بنائی اور بیڈ روم میں آ گئی...... ذہن میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

☆☆☆

بچپن کی خوشگوار یادوں میں سرفہرست گرمیوں کی چھٹیوں میں چاچو کے گھر جانے کی ایکسائٹمنٹ تھی۔

چاچو بھی تو سارا پاکستان گھومتے رہتے تھے۔ چھٹیوں کا آغاز ہوتا...... اور اس کی ضد شروع...... شروع، شروع میں تو ماما، بابا بھی ساتھ آ جاتے مگر پھر بعد میں وہ اکیلے آنے لگی...... دس پندرہ دنوں کی اجازت ملتی اور وہ ساری چھٹیاں وہیں پر گزار دیتی...... بابا خفا ہوتے تو چاچو منا لیتے...... اسے چاچو بہت اچھے لگتے تھے...... لمبے چوڑے، بارعب آرمی کے یونیفارم میں ان کی شخصیت اور زیادہ متاثر کن ہو جاتی...... اسے ارسلہ چاچی بھی بہت اچھی لگتی تھیں۔ نادیہ اس سے عمر میں دو برس بڑی تھی لیکن نادیہ سے بھی اس کی بہت اچھی دوستی تھی...... اور سلمان وہ جانے عمر کے کس حصے میں سلمان سے متاثر ہوئی، یہ اسے یاد نہیں تھا۔

شروع شروع میں وہ اور نادیہ، سلمان سے بہت ڈرا کرتی تھیں۔ وہ تھا ہی قدرے سنجیدہ مزاج مگر بعد میں ان سب میں دوستی ہو گئی۔ کبھی کبھار کاشف بھی ساتھ آ جاتا تو وہ سلمان کے پاس ہی گھسا رہتا...... سلمان بھائی اس کے آئیڈیل تھے۔ اس نے چاچو کی سروس کے طفیل پاکستان کے ڈھیروں شہر گھوم ڈالے...... شہلا اور نائلہ آپی اس سے قصے سن، سن کر ہنسا کرتی تھیں مگر اس کے ساتھ گھومنے کا پروگرام نہ بناتیں...... وہ دونوں پڑھائی کا کیڑا تھیں...... بابا کا اپنا بزنس تھا اور ماما کی گھرداریاں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں سو اس کا دل وہاں لگتا بھی کیسے...... اس کا جی چاہتا وہ ہمیشہ کے لیے چاچو کے پاس ہی رہ جائے۔ وہ چشم تصور سے سلمان کو فوجی وردی میں دیکھا کرتی تھی۔ وہ چاچو سے بہت مشابہہ تھا اور کالج میں آنے کے بعد تو اس نے ایک دم قد نکال لیا تھا۔

عائلہ کو اچھی طرح یاد تھا جب سلمان کا ایف ایس سی کا رزلٹ آیا تھا اور گھر میں زبردست ہنگامہ ہوا تھا۔ ان دنوں چاچو ایبٹ آباد میں تھے...... اور وہ اپنی چھٹیاں گزارنے وہیں پہنچی ہوئی تھی۔

سلمان کا اے ون گریڈ آیا تھا۔ چاچو پھولے نہیں سما رہے تھے...... سارے بچوں کو زبردست سی ٹریٹ دی گئی۔ وہ ان دنوں سیونتھ کلاس میں تھی...... کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ چاچو نے سلمان کو آرمی میں اپلائی کرنے کا کہہ دیا اور سلمان نے بڑے آرام سے منع کر دیا۔

''کیوں......؟'' چاچو دہاڑے۔

''مجھے ڈاکٹر بننا ہے......'' سلمان نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے AMC سے اپنا میڈیکل مکمل کرو...... فوجی بھی بن جاؤ اور ڈاکٹر بھی۔'' انہوں نے مسئلے کا حل نکالا۔

''مجھے کنگ ایڈورڈ سے پڑھنا ہے، میں آرمی میں نہیں جانا چاہتا......'' اس نے سہولت سے سمجھایا۔

''آرمی میں کیوں نہیں جانا چاہتے ہو......؟'' چاچو تیز لہجے میں بولے۔

''میں ایک باؤنڈ زندگی نہیں گزار سکتا...... پھر مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھی جانا ہے...... بابا، آرمی میں کوئی خرابی نہیں...... لیکن میرا مزاج آرمی کے مطابق نہیں ہے۔''

گھر کا خوشگوار ماحول ایک دم خراب ہو گیا۔ ایک عجیب سی کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ ارسلہ چاچی کبھی بیٹے کو قائل کرتی دکھائی دیتیں تو کبھی شوہر کو مناتے ہوئے ملتیں۔ دونوں ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھے۔ سلمان نے ایک بار بھی چاچو سے بدتمیزی نہیں کی...... چاچو کے غصے، ان کی ڈانٹوں کے جواب میں وہ انتہائی ادب سے کہتا۔ ''مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔''

''لیکن تم اپلائی ضرور کرو گے...... پھر دیکھتے ہیں۔'' چاچو نے سوچا ہو گا اگر انٹرویو کال آ گئی تو شاید وہ اپنا ذہن آرمی کے لیے بنا لے...... مگر اس نے نہ جانے کیا چکر چلایا کہ آرام سے ریجیکٹ ہو گیا...... پھر کیا تھا...... کنگ ایڈورڈ میں ایڈمیشن لیا اور لاہور سدھار گیا۔ چاچو کی مایوسی اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

ایک فوجی دل سے یہی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا بھی فوج میں جائے...... اور چاچو کا سلمان کے علاوہ کوئی بیٹا نہیں تھا...... اسے پہلی بار سلمان بھائی سخت برے لگے۔ اس نے چاچو کے ہاتھوں پر اپنا چھوٹا سا ہاتھ رکھا تھا۔

''میں پرامس کرتی ہوں کہ میں فوج میں جاؤں گی۔ آپ کی طرح افسر بنوں گی۔'' چاچو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا...... ان کی آنکھوں میں ایک دم سے چمک آ گئی۔ انہوں نے وفورِ محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

''تمہیں میرا اتنا احساس ہے؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''آئی لو یو چاچو۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''مجھے یقین ہے میرے بچے، میرا خواب تم پورا کرو گی......'' ان کے چہرے سے مایوسی کے بادل ایک دم چھٹ گئے۔ وہ خوش نظر آنے لگے...... عائلہ کو لگا اس نے آدھا میدان مار لیا ہو...... جس سال اس نے ایف ایس سی کا امتحان کلیئر کیا اور وہ وہی سال تھا جب سلمان کے ہاتھوں میں ڈاکٹری کی سند آ گئی۔

سلمان اس کے لیے کب زندگی کا احساس بنا، یہ وہ نہیں جانتی تھی...... وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ سلمان اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ وہ چاچو کے پاس پنڈی جانا چاہتی تھی۔ یہ ان کی سروس کا آخری سال تھا۔ نادیہ کی شادی طے ہو چکی تھی...... اس کے بہت سارے پروگرام تھے...... مگر مما نے منع کر دیا۔ وہ حیران رہ گئی۔

''مگر کیوں...... اگلے مہینے نادیہ کی شادی ہے...... مجھے جانا ہے۔'' وہ منہ بسور کے بولی۔

''بے وقوف نہ ہو تو......'' ماما مسکرائیں۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکی۔

''پاگل لڑکی...... وقاص بھائی نے تمہارے لیے سلمان کا رشتہ دیا ہے۔ ابھی بھلا تم وہاں کیسے جا سکتی ہو...... ہمارے ساتھ چلنا، شادی سے چند دن پہلے......'' وہ ہنسیں۔ پہلے پہل تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا...... جب آیا تو اس سے وہاں کھڑا نہیں رہا گیا۔

''ابھی وہ صرف منگنی کے لیے کہہ رہے ہیں...... سلمان بھی باہر پڑھنے جانا چاہتا ہے اور تمہارا بھی میڈیکل پانچ سال لے گا...... تب شادی ہو جائے گی۔'' ماما نے تفصیل بتائی۔ وہ شرما کے وہاں سے بھاگ نکلی۔

اس کا داخلہ آرمی میڈیکل کالج میں ہو چکا تھا...... اور وہ جلد ہی بطور کیڈٹ وہاں بھرتی ہونے

جارہی تھی...... زندگی اتنی حسین ہوجائے گی...... یہ اس نے شاید سوچا بھی نہیں تھا لیکن کیا ہونے والا ہے۔ یہ ابھی اسے معلوم نہیں تھا۔

نادیہ کی شادی کے فوراً بعد ہی اس کی کلاسیں بھی شروع ہونے والی تھیں...... سو وہ شرمائی گھبرائی سب کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اچھی بات تھی کہ چاچو پنڈی میں تھے، گو رہنا تو اسے ہاسٹل میں تھا مگر ان کا پنڈی میں ہونا ہی سب کے لیے باعثِ اطمینان تھا۔

چاچو کے گھر شادی کے ہنگامے کی فضا تو تھی لیکن چہروں پر ایک عجیب سا کھچاؤ بھی تھا...... وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ نادیہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی...... اسے اپنی شادی کی بہت خوشی تھی، گریجویشن کے بعد شادی کی خبر اس کے لیے باعثِ سکون تھی کہ اسے پڑھنے کا قطعی شوق نہیں تھا...... دوسری خوشی اسے کراچی جانے کی تھی۔

''اب تم کراچی آرہی ہو تو میں پنڈی۔'' عائلہ نے افسوس سے کہا۔

''کوئی بات نہیں، میں تمہارے اماں، ابا پر قبضہ کرلوں گی تم میرے پہ کرلینا۔'' وہ ہنسی۔ عائلہ بھی مسکرادی۔ اس نے دل میں سوچا، تمہارے ماما، بابا تو پہلے ہی میرے قبضے میں ہیں...... نادیہ کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی...... ولیمہ ایک ہفتے کے بعد کراچی میں تھا اور سب کا اکٹھے ہی جانے کا پروگرام تھا سوائے عائلہ کے...... جس کی اسی وقت کلاسیں شروع ہونے والی تھیں۔

''پریشان مت ہونا...... میں ولیمے کے دوسرے ہی دن واپس آجاؤں گا......'' انہوں نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی......'' وہ مسکرائی...... وہ چاچو کی طرح یونیفارم پہنے گی، رینک لگائے گی...... شہروں، شہروں گھومے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا تھا...... چاچو اس سے خوش تھے...... اس سے پیار کرتے تھے اور اب اپنے بیٹے کی بیوی بنا کر اپنے اور قریب لانا چاہتے تھے۔ اسے لگا کہ یہ دور اس کی زندگی کا حسین ترین آغاز ہے......

وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کررہی تھی۔ اس نے ارسلہ چاچی کا اترا ہوا چہرہ، نادیہ کی جھجک اور سلمان کی بے نیازی پر غور ہی نہیں کیا...... چاچو کی افسردگی کو نادیہ کی رخصتی کا شاخسانہ سمجھتے ہوئے مطمئن ہی رہی اگر جانے سے کچھ دن پہلے اپنے کانوں سے نہ سن لیتی۔ وہ کسی کام سے چاچو کے کمرے کی طرف آرہی تھی...... اندر سے بڑوں کی آواز سن کر جھجک کے مارے دروازے پر ہی رک گئی۔ بابا اس کا اور سلمان کا نام لے رہے تھے۔

''میرا خیال ہے سلمان کے جانے سے پہلے منگنی کی تقریب رکھ لیتے ہیں۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد چاچو کی آواز ابھری۔

''وقار بھائی، میں آپ سے شرمندہ ہوں۔'' ماما کی حیرت بھری آواز آئی۔

''کیا مطلب وقاص بھائی؟''

''سلمان نے انکار کردیا ہے۔'' چاچو کی آواز کسی گہرے کنویں سے برآمد ہوئی۔

☆☆☆

لاہور سے اس کی زندگی کی خوب صورت یادیں جڑی تھیں۔ اب لاہور اس طرح آنا ہوجائے گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کئی برس پہلے اس نے نئے جوش وولولے کے ساتھ اسی ائرپورٹ پر قدم رکھا تھا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ لینا اس کا خواب تھا اور وہ اسی کی تعبیر پانے یہاں تک آیا تھا اور چند سال کے بعد سرخرو ہو کے یہاں سے واپس گیا تھا۔ اس کی ساری کوفت اور بیزاری ایک منٹ میں ہوا ہوگئی...... لاہور کی فضاؤں میں سانسیں لینا اچھا لگنے لگا...... گو کہ رات اندھیری تھی...... اور وہ لاؤنج سے باہر جا بھی نہیں سکتا تھا سو وہیں صوفے پر

بیٹھ کر اپنی یادوں کو دُہرانے کا عمل دوبارہ شروع کرنے لگا...... بھلا اس مصروف دور میں کس کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ ماضی کو تسلی کے ساتھ بیٹھ کر یاد کرے؟ اس بات کا بہتر موقع لمبے سفر کے دوران ہی ملتا ہے کہ دورانِ سفر نہ تو اسے میوزک سننے کا شوق تھا اور نہ ہی کتابیں پڑھنے کا...... اور کچھ کرنے کو نہ ہو تو پھر خیالوں کی دنیا ہی آباد ہوپاتی ہے...... اور اس زبردستی کے لمبے سفر نے اسے یہ موقع خوب فراہم کیا تھا۔ اپنے تعلیمی دور کی یادگار باتیں سوچتے ہوئے اس کا ذہن لڑھک کے ایمان کی طرف مڑ گیا۔

وہ اس سے سخت ناراض تھی...... اور پہلی بار اسے ایمان کی ہٹ دھرمی، اس کا غصہ اور اس کی نادانی کچھ بھی متاثر نہیں کرسکا۔ حالانکہ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ جب اس نے ایمان کو پہلی بار دیکھا تھا اور پھر جب وہ اس سے ایک دو بار اور ملا تو اسے ایمان میں سب سے اچھا اس کا قدرے اکھڑ رویہ اور خفگی بھرا انداز ہی لگا تھا...... یہ چیز وہاں زیادہ عام نہیں تھی...... وہ بھی ڈاکٹر تھی اور اس کے ساتھ ہی رائل کالج میں تھی۔ ایمان خوب صورت تھی...... نسلاً انگریز تھی، اس کی گلابی رنگت پر سیاہ بال اسے ایک عجیب سا مشرقی ٹچ دیتے تھے...... ورنہ عموماً انگریزوں کے بال سنہرے یا براؤن ہی نظر آتے ہیں۔ اس کے مزاج کی تیزی کے سبب اس کا کوئی بوائے فرینڈ بھی نہیں تھا۔ یہ اس معاشرے کے حساب سے ذرا مختلف ہی بات تھی، وہ نہ ڈرنک کرتی تھی نہ ہی اسموکنگ...... اس نے سلمان کی خاطر اسلام بھی قبول کرلیا تھا، وہ مذہب پر کتنا عمل کرتی تھی سلمان یہ جاننے سے قاصر تھا کیونکہ اس موضوع پر ان کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی...... وہ خود بھی کون سا پکا مذہبی انسان تھا۔ ایمان کے والد کون تھے، کیا تھے یہ نہ کبھی اس نے بتایا اور نہ ہی سلمان نے پوچھا۔ بس وہ اتنا جانتا تھا کہ اس کے والد اس دنیا میں

نہیں...... صرف اس کی ماما تھیں...... سنہرے بالوں والی اور نیلی آنکھوں والی خوب صورت خاتون... پر ایمان سے بہت مختلف تھیں...... حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ جب بھی سلمان سے ملتیں ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی ناپسندیدگی جھلکتی...... سلمان یہی سمجھتا کہ بیشتر گورے نسل پرست ہیں...... وہ کالے اور زرد اقوام کے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں...... اسی لیے ان کی ناپسندیدگی کو زیادہ محسوس نہیں کرتا۔

ایمان سے اس نے شادی کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا...... وہ اسے اچھی لگی تھی اور شاید وہ خود ایمان کو بھا گیا تھا۔ تبھی اس نے اپنی ماں کی مخالفت کے باوجود اس کو اپنا شریک سفر بنالیا...... وہ بھی اسی کی طرح ضد کی پکی تھی...... مگر اب مصیبت یہ تھی کہ دونوں کی ضدیں آمنے سامنے سینہ ٹھونک کر کھڑی ہوگئی تھیں اور ہار ماننے کو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

یادوں کے بھنور میں چکراتے، چکراتے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ نیند کے بارے میں کہا جاتا ہے ناں کہ وہ سولی پر بھی آجاتی ہے...... شاید سچ یہی ہے، وہ اردگرد سے بے خبر سو گیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم......'' چاچو کو سلام کرتے ہوئے چہرے پر بشاشت اور لہجے میں خوشی کی کھنک سمونا اس بار اسے کچھ زیادہ ہی مشکل لگا لیکن چاچو کے چہرے پر آنے والی خوشی حقیقی تھی۔

''تم!'' وہ ایسے چونکے جیسے اس کے آنے کی امید بالکل نہ رہی ہو۔

''کیسے ہیں......؟'' وہ اسے کمزور لگے۔

''ٹھیک ہوں۔'' چاچو کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''لگ تو نہیں رہے...... لائیں آپ کا بی پی چیک کروں۔'' اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں...... جانتا ہوں بڑھا ہوا ہے...... اور ہونا بھی چاہیے۔'' وہ خفگی سے بھرے لہجے میں بولے۔

''کیوں ہونا چاہیے؟'' اس نے خواہ مخواہ شوخ لہجے میں پوچھا۔ جواباً انہوں نے کچھ کہے بغیر اس کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالی۔ چاچو کا بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے عائلہ کے ماتھے پر فکر کی لکیریں نمودار ہوئیں۔

''زیادہ بڑھ گیا ہے؟'' انہوں نے اس کے ماتھے کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''دوا کھائی تھی آج آپ نے؟'' اس نے چاچو کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دوا کھاتے نہیں ہیں، انہیں دوا کھلائی جاتی ہے اور وہ میں نے کھلادی تھی۔'' ارسلہ چاچی نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا جملہ اُچک لیا۔

''صبر کے کڑوے گھونٹ اور دوا کی کڑوی گولیاں، پچھلے کئی سالوں سے یہی کڑواہٹ جھیل رہا ہوں۔'' انہوں نے تنک کر کہا۔

''چھوڑیں چاچو، کسی اور کو بتائیں، میں تو نہیں مانتی کہ میرے چاچو کی مٹھاس کسی بھی کڑواہٹ کے آگے ہار مان سکتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے ان کے بازو پر سر ٹکا کے بیٹھ گئی...... بریگیڈیر وقاص کا دوسرا ہاتھ اس کے سر پر آکے ٹِک گیا۔

''ایسا صرف تم ہی کرسکتی ہو اور کوئی نہیں۔'' ان کا لہجہ افسردہ تھا۔ ارسلہ خاموشی سے دونوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ اب بریگیڈیر صاحب کا بی پی ہی نہیں بلکہ سب کچھ نارمل سطح پر ضرور آجائے گا...... عائلہ جو آگئی تھی۔

☆☆☆

ایک طویل جسمانی اور روحانی تھکن کا تحفہ ملنے کے بعد بالآخر جہاز کی روانگی کنفرم ہوگئی...... فلائٹ صبح آٹھ بجے روانہ ہونے والی تھی۔ سب نے سُکھ کی سانس لی۔ لیکن ایک بے یقینی کی کیفیت بھی ساتھ ہی

موجود تھی اور وہ تب تک رہتی جب تک سارے مسافر اپنی اپنی منزل تک نہیں پہنچ جاتے۔ اس نے جہاز میں بیٹھتے ہی ماں کو فون ملایا۔

''بالآخر جہاز ٹیک آف کرنے والا ہے، یہاں کا موسم صاف ہے اور امید ہے کہ آپ کی طرف بھی گرج چمک میں کمی آگئی ہوگی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ذو معنی جملہ بولا۔

''بالکل درست اندازہ ہے تمہارا...... گرج چمک میں واقعی واضح کمی واقع ہوگئی ہے۔'' امی ہنس دیں۔

''اچھا، یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے...... مجھے یقین تھا کہ آپ بابا کو سنبھال لیں گی، میرے وہاں پہنچنے تک سب کچھ ٹھیک کرلیں گی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''نہیں...خیر سے یہ میرا کارنامہ نہیں ہے۔'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''پھر کس کا کارنامہ ہے؟'' وہ حیران ہو کے بولا۔

''عائلہ کا......'' ارسلہ آہستہ سے بولیں۔

''اوہ...... وہ آئی تھی۔'' سلمان نے پوچھا۔

''میں نے بلایا تھا...... بریگیڈیر صاحب بہت اپ سیٹ تھے۔'' انہوں نے بتایا۔

''اور وہ سب سیٹ کرگئی ہوگی۔'' سلمان کے لہجے میں خواہ مخواہ کا حسد ابھرا۔

''ظاہر ہے......'' ارسلہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

''ہر ویک اینڈ پہ آتی ہے؟'' سلمان نے کریدا۔

''اکثر آجاتی ہے مگر ابھی کراچی جارہی تھی۔ یہاں سے ہو کے گئی ہے۔'' انہوں نے تفصیل بتائی، فلائٹ ریڈی ہوئی تو اس نے فون بند کردیا...... سیٹ پہ آرام سے بیٹھ کر بولا۔

''شکر ہے کہ محترمہ جاچکی ہیں۔'' وہ نہ جانے کیوں عائلہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پچھلی بار جب وہ کچھ دنوں کے لیے آیا تھا تو اس کا عائلہ سے سامنا نہیں ہوا تھا...... لیکن اب... بہ جلد یا بدیر یہ تو ہونا ہی تھا...... اسے محسوس ہوا جیسے وہ عائلہ کی کوئی چیز چرا کے بھاگا ہو اور سامنا ہونے پر عائلہ اس پر کوئی فردِ جرم عائد کردے گی۔ اس کی نگاہوں میں عائلہ وقار کا سراپا گھوم گیا...... اسے آخری بار تب دیکھا تھا جب وہ انگلینڈ جارہا تھا۔ دبلی پتلی، سانولی سی...... ایک بہت عام سی لڑکی...... بچپن ہی سے جو اس کے بابا کے پاس گھسی رہتی۔ ہر سال چھٹیوں میں وہ ان کے گھر میں، چاہے وہ کسی بھی شہر میں ہوں، موجود ہوتی تھی...... بابا کی تو خیر بھتیجی تھی، ان کی لاڈلی تھی مگر نادیہ سے بھی اس کی بڑی پکی دوستی تھی...... امی بھی اسے پسند کرتی تھیں...... اور نہ جانے کیوں اسے عائلہ وقار سے ایک نامعلوم سی پرخاش تھی...... جب وہ ہونقوں کی طرح اسے آتے جاتے دیکھتی...... اور بے وقوفوں کی طرح اس کے آس پاس منڈلاتی تو اسے وہ زہر لگا کرتی تھی اگر وہ ماں، باپ کے سکھائے ہوئے مینرز کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتا تو شاید بچپن میں اسے دو چار ہاتھ تو جڑ ہی چکا ہوتا کیونکہ اس پر اسے سب سے زیادہ غصہ اس وقت آتا تھا جب وہ اس کی کتابوں اور دوسری چیزوں کو چھیڑا کرتی تھی اور بابا اس عائلہ وقار کو اس کی زندگی کا ساتھی بنانے جارہے تھے۔

''ربش......'' اس نے سوچا۔ اسے وہ اذیت یاد آئی۔ بابا نے مسکراتے ہوئے اس کے کانوں میں سیسہ انڈیلا تھا۔

''سلمان ایک بات میں تمہاری مان لیتا ہوں...... تم باہر جا کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، بس شادی تمہیں عائلہ سے کرنی ہوگی، یہ میرا فیصلہ ہے جو تمہیں ماننا ہوگا۔''

''شادی...... عائلہ سے......؟'' وہ ناپسندیدگی سے بولا۔

''کیا خرابی ہے اس رشتے میں......؟'' بریگیڈیر وقاص کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ بابا کو کھل کے اپنی ناپسندیدگی کے بارے میں نہیں

بتا سکتا تھا۔ اس سے بابا غصے میں آسکتے تھے...... اسے عقلمندی کے ساتھ یہ معاملہ ہینڈل کرنا تھا۔

''بابا ابھی میں شادی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا...... مجھے پوسٹ گریجویشن کے بعد اپنا کیریئر اسٹیبلش کرنا ہے...... شادی تو بہت آگے کی بات ہے۔'' اس نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجا کے کہا۔

''ابھی شادی کرنے کے لیے کون کہہ رہا ہے؟ اس کا بھی ابھی میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا ہے، پانچ چھ سال تو اسے بھی لگیں گے تعلیم مکمل کرنے میں، تم بھی تب تک اسٹیبلش ہو جاؤ گے...... ابھی تو صرف منگنی کر دیتے ہیں...... نادیہ کی رخصتی سے پہلے یہ کام بھی ہو جائے گا۔'' بریگیڈیر وقاص کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہوا...... وہ پُرسکون انداز میں بولے۔ وہ پہلو بدل کے سیدھا ہو کے بیٹھ گیا...... بات کو ابھی صاف کرنا ضروری ہے۔ اس نے سوچا۔

''دیکھیں بابا، میری اور عائلہ کی کوئی بھی بات مشترک نہیں...... وہ مستقبل میں آرمی ڈاکٹر بننے جا رہی ہے۔ اسے یہاں اس ملک میں سروکرنا ہوگا، اس کی بھی پوسٹنگز آئیں گی...... اور وہ شہروں، شہروں گھومے گی، یہ اس کا شوق تھا، اس کی پسند اور خواہش بھی اور میں...... میں باہر جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے وہیں سیٹ ہو جاؤں پھر ہمارا جوڑ کیسے ممکن ہے۔''

''بات تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' بابا نے آرام سے کہا۔

اتنی آسانی سے معاملہ حل ہو جانے پر اس کے چہرے کی رونق واپس آگئی۔

''میں بس یہی آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرا فیصلہ اب بھی وہی ہے۔ شادی تمہیں عائلہ ہی سے کرنی ہوگی...... کیسے، کس طرح، یہ میں نہیں جانتا۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

''جی......'' وہ حیران رہ گیا۔

''تم پوسٹ گریجویشن کے لیے ضرور باہر جاؤ مگر یہ سوچ کر کہ تمہیں واپس یہیں آنا ہے اور عائلہ سے شادی بھی کرنی ہے۔''

''یہ نہیں ہو سکتا...... میں عائلہ سے شادی نہیں کر سکتا۔'' وہ کھل کے سامنے آگیا۔

''کیوں......؟'' بریگیڈیر صاحب دہاڑے۔

''اس لیے کہ وہ مجھے پسند نہیں۔'' اس نے بالآخر کہہ دیا۔

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے...... پھر اٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔ اس کا کارنامہ نادیہ کی شادی، جو سر پر تھی، کی وجہ سے دب گیا۔ انہوں نے دوبارہ اس سے اس موضوع پر بات نہیں کی۔ امی کا موڈ بھی تھوڑا سا آف ہوا مگر وہ بیٹی کی شادی کی وجہ سے جلد ہی سنبھل گئیں۔ بابا نے عالم شرمندگی میں اپنے بھائی کو اس رشتے سے منع کر دیا مگر وہ ٹوٹ سے گئے تھے۔

''ٹھیک ہو جائیں گے خود ہی......'' اس نے آرام سے سوچا اور اپنا مقصد حاصل کرنے بڑے سکون سے روانہ ہو گیا...... اس نے جو چاہا پا لیا...... پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ پھر سنا وہ ڈاکٹر بن گئی تھی۔ اسے کیپٹن کا رینک بھی مل گیا تھا۔ اسے ایک لمحے کو اس کی بھولی بسری صورت یاد آئی جسے اس نے فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا پھر اس کے بعد بابا کی بیماری کے دوران اس کا تذکرہ بار بار سنتا رہا تب وہ میجر بن چکی تھی اور تا حال غیر شادی شدہ تھی...... اس کی پوسٹنگ ان دنوں جہلم کینٹ میں تھی اور وہ بابا کے پاس بھاگم بھاگ اسلام آباد پہنچی تھی...... ماما اس کی احسان مند تھیں...... اسے بھی ایک لمحے کو عائلہ وقار کے لیے شکر گزاری کے جذبات محسوس ہوئے، یہ تو اس کا فرض تھا جو کوئی اور ادا کر رہا تھا۔

''خیر، اب میں آرہا ہوں اور میرے امی، بابا کو

کسی دوسرے کے احسانات کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' اس نے سوچا۔

یہ سفر پچھلے سفر کی نسبت کافی بہتر تھا اور وقت پر اختتام پزیر بھی ہو گیا۔ بے نظیر انٹرنیشنل ائر پورٹ پر لینڈنگ کی خوشخبری نے اس سمیت دیگر مسافروں کو بے یقینی کی اس کیفیت سے باہر نکالا جس میں کئی گھنٹوں سے وہ مبتلا تھے۔ بیزاری، کوفت اور غصے کے ملے جلے تاثرات لیے چہروں پر پہلی بار اطمینان نظر آیا۔

جہاز کا دروازہ کھلتے ہی سب یوں باہر کی طرف دوڑے جیسے قیدیوں کو پروانۂ آزادی نصیب ہو گیا ہو۔

اس کے ہاتھوں میں سفر کی لکیر بہت گہری تھی۔ پہلے اندرونِ ملک بے شمار سفر...... اور اس کے بعد پاکستان سے نکلا تو ملکوں، ملکوں کی خاک چھاننے کا تجربہ ہوا، کبھی پڑھائی، کبھی کانفرنس تو کبھی گھومنے پھرنے کے لیے...... اور اب کسی بھولے بھٹکے کی طرح لوٹ کے گھر کو واپسی اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔

گھر لوٹ کے آنے کی خوشی بہت انوکھی ہوتی ہے...... سفر کی ساری تکان مٹا دیتی ہے۔ لوٹنے کی خواہش شاید فطرت کا حصہ ہے، ہر جاندار کی سرشت میں ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی لوٹنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا، وہ بر وقت واپس آیا تھا یا اس نے دیر کر دی تھی۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

اس نے ائر پورٹ سے باہر آ کے ایک گہری سانس لی۔ اسلام آباد کی فضائیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ آسمان پر کہیں، کہیں اجلے، اجلے بادل اب بھی موجود تھے، سبزہ دھل کر نکھر چکا تھا۔ ایک روز پہلے...کی بارش نے سب کچھ دھو کر شفاف کر دیا تھا۔

''کاش بابا کا دل بھی میری طرف سے ایسے ہی صاف ہو جائے۔'' اس نے چپکے سے خواہش کی۔

سامان کیب میں رکھواتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو ایڈریس سمجھایا۔ کیب میں بیٹھتے ہوئے اس نے ایک عجیب سی آسودگی محسوس کی۔

''ویلکم بیک سلمان علی، ویلکم ٹو یو ہوم۔'' اس نے خود کو وِش کیا۔ عجیب بات تھی اس سرخوشی کے عالم میں ایمان اور ایان ایک بار بھی یاد نہیں آئے۔ وہ انہیں بھولا ہوا تھا یا ابھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا...... کوئی تو وجہ تھی۔

☆☆☆

''آئی لو یو ڈیڈ......'' اس نے والٹ سے ایک پرانی سی تصویر نکالی...... تصویر ایک ایشیائی مرد کی تھی...... وہ اس تصویر کو کچھ دیر دیکھتی رہی...... اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں کی کیفیت بدلنے لگی اور ان سے غصہ جھانکنے لگا۔ اس نے بے دردی سے تصویر کو والٹ میں گھساتے ہوئے زور سے کہا۔ ''بٹ آئی ہیٹ یو واموسٹ۔''

یہ تصویر اس نے سالوں پہلے مام کے پرس سے چرائی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب اسے اور مام دونوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ڈیڈ اب کبھی واپس نہیں آئیں گے...... مام نے ان کی ساری تصویریں جلا دی تھیں...... اور وہ ڈیڈ کے تصور کو مرنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی یادوں میں ڈیڈ کا دُھندلا سا خاکہ موجود تھا۔ بچپن کی کچھ باتوں کا یاد رہ جانا کوئی حیران کُن بات نہیں مگر اسے جزئیات کے ساتھ کئی واقعات یاد تھے۔ مام اس کی یادداشت پر حیران رہ جاتی تھیں...... ٹیمی کو اس کی زندگی سے نکلے کئی برس ہو گئے تھے اور ایما اس وقت محض چار برس کی تھی۔

''پور چائلڈ......'' مام اسے جب بھی دیکھتیں ان کے منہ سے یہی نکلتا۔ زندگی مصروفیت کا نام ہے اور تنہا عورت کے لیے تو اور بھی زیادہ...چاہے وہ عورت مغرب کی ہو یا مشرق کی۔ لز کے لیے زندگی کبھی پھولوں کا بستر نہیں رہی تھی۔

وہ خود بھی سنگل پیرنٹ چائلڈ تھی...... اس کے باپ نے اس کی ماں سے شادی کا تکلف بھی نہیں کیا تھا...... وہ کون تھا، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا، اس کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا سرنیم جڑا ہوا تھا اور شاید وہ ان دونوں کے لیے کافی تھا۔ ایک عام، مشکلات سے بھرا...... اور غیر محفوظ بچپن گزارنے کے بعد لز کا اعتبار اپنے دیس کے مردوں پر سے اٹھ چکا تھا...... وہ زندگی میں سکیورٹی سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کے دل میں ایک گھر کی آرزو تھی۔ ماں کی زندگی سے اس نے یہی سبق سیکھا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ قسمت پہ کسی کا زور نہیں چلتا۔ اپنی دانست میں کیا گیا ہر درست فیصلہ اس وقت اچانک غلط ثابت ہو جاتا ہے جب قسمت کا چکر الٹا چل رہا ہو اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ تیمور آفریدی کو پہلی بار دیکھنے کے بعد اس کا دل اس کی طرف جھکتا ہی چلا گیا۔ تیمور بظاہر سیدھا سادہ نوجوان، جو اسٹوڈنٹ ویزے پر برطانیہ آیا تھا۔ وہ اس کے اسٹور سے گروسری خریدنے آیا کرتا تھا۔ وہ نوارد تھا، اسے رہنمائی کی ضرورت تھی اور لز کو سہارے کی۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ تیمور کا تعلق مڈل کلاس خاندان سے تھا جس نے اپنی جمع پونجی اس پر لگا کر اسے باہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا صرف اس امید پر کہ وہ واپس آ کے سارے خاندان کے دلدر دور کرے گا۔

پڑھائی اور پارٹ ٹائم جاب کے بعد تیمور کے پاس سانس لینے کو بھی وقت نہیں بچتا تھا۔ ایک کمرے کا اپارٹمنٹ وہ تین دوستوں کے ساتھ شیئر کرتا تھا...... کپڑے لانڈری کرنا، کھانا بنانا اور صفائی کرنا چاروں لڑکوں نے آپس میں تقسیم کر رکھا تھا مگر تیمور کو یہ سب بہت مشکل لگا کرتا تھا کہ وہ ان مردوں میں سے تھا جنہیں پہلے مائیں اور پھر بہنیں اور اس کے بعد بیویاں ہاتھ سے نوالے بنا کر کھلائیں تو کچھ کھانا پسند کرتے ہیں لز سے ملنے کے بعد اسے سارے مسئلے حل ہوتے دکھائی دینے لگے۔

دوسری طرف لز تھی۔ جس نے نہ جانے کس سے سن لیا تھا کہ ایشیائی مرد وفادار ہوتے ہیں، بیویوں کے لیے تحفظ کی ضمانت ہوتے ہیں۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسے ایک ایشیائی مرد آن ٹکرایا تھا۔

وہ اسے اپنے اپارٹمنٹ میں لے آئی۔ وہ اس کے لیے کھانا پکاتی، اس کے کپڑے لانڈری کرتی، اچھی بیویوں کی طرح اس کا خیال رکھتی...... عوض میں ایک دن اس نے تیمور سے شادی کی درخواست کردی۔

تیمور مفت میں ملی خدمات کا یہ بدلہ اتارنے پر رضامند ہو گیا...... اتنی آرام دہ زندگی سے ہاتھ دھونے کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تک یہ سب کچھ لز کا احسان ہی تو تھا مگر اب تیمور کا استحقاق بننے والا تھا۔ کیا برا تھا؟ لز کے لیے یہ شادی تحفظ کی علامت تھی...... تیمور اب ساری توجہ اپنی پڑھائی کو دینے لگا تھا اور لز جو سارا دن اسٹور میں محنت کرتی، شام میں گھر آنے کے بعد تیمور کی خدمت میں لگ جاتی...... اس امید پر کہ جلد ہی تیمور کی تعلیم ختم ہو جائے گی اور وہ اسے یا تو اپنے ساتھ پاکستان لے جائے گا یا پھر یہیں رہتے ہوئے ایک بہتر زندگی دینے کے قابل ہو سکے گا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا، دونوں اپنے، اپنے مقصد پر نظر رکھے وقت گزار رہے تھے۔ لز کو کچھ مہینوں کے بعد ایک خوشگوار احساس ہوا...... وہ ماں بننے والی تھی...... وہ جتنی خوش تھی تیمور اسی قدر پریشان۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''تو کون سی قیامت آ گئی، اگر ایسا ہونے جا رہا ہے تو......؟'' وہ اداسی سے بولی۔

''ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔'' اس نے جواز پیش کیا۔

''تو کیا ہوا...... تمہارا کیا نقصان ہے، تم پڑھتے رہو اور ویسے ہی رہو جیسے رہتے ہو...... میں انتظار کروں گی تمہارے اسٹیبلش ہونے کا...... اس سے پہلے کچھ نہیں مانگوں گی اور اس کے بعد تم اور تمہارا سب کچھ میرا ہوگا...... ہمارے بچے کا ہوگا بولو منظور......؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا۔

اس کی خاموشی کو لز نیم رضامندی سمجھ کے بہل گئی...... اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ مزید کسی سوال جواب سے بچ گئی تھی۔

ایمان اس دنیا میں آئی تو اس کا نام تیمور نے خود رکھا...... لز نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا تھا تیمور کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا مگر بیٹی کے معاملے میں وہ بہت حساس نظر آ رہا تھا۔

زندگی لز کے نقطۂ نظر سے اچھی گزرنے لگی تھی...... الزبتھ اسمتھ عرف لز دن رات نوکریاں کر کے شوہر اور بچی کو پالنے میں لگی ہوئی تھی مگر خوش تھی اور تیمور اس کے ٹکڑوں پر پلنے کے ساتھ ساتھ ڈگریوں پر ڈگریاں لادنے میں مصروف رہا...... وہ خوش تھا یا ناخوش...لز کو اس بات کا کبھی اندازہ نہیں ہو سکا۔ اندازہ اس وقت ہو جب پانی سے سر سے گزر گیا۔

ایمان کی چوتھی سالگرہ پر جب وہ تیمور کی اسٹڈیز مکمل ہونے کی خوشی میں اسے سرپرائز ٹریٹ دینے کا سوچ رہی تھی...... ایمان کی سالگرہ اور شوہر کی کامیابی، دونوں کی خوشیاں ایک ساتھ منانے کا چپکے، چپکے پلان کر رہی تھی...... تیمور اسے زندگی کا وہ سرپرائز دے گیا جس کے بعد وہ سر اٹھا کر جینے کے قابل نہیں رہی۔

تیمور چپکے، چپکے اپنی ساری تیاریاں مکمل کر کے اسے بغیر بتائے طلاق نامے کا تحفہ دے کر اپنے وطن سدھار گیا تھا۔

لز جانے والے کے قدموں کے نشان اور اپنا قصور دونوں ڈھونڈتی رہی مگر دونوں ہی اسے کبھی نہ مل سکے...... وہ تیمور سے حقیقی محبت کرنے لگی تھی...... اس کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھی...... تیمور نے اسے جو گھاؤ لگایا اس کے نتیجے میں لز کا ایمان، محبت اور خلوص دونوں پر سے اٹھ گیا...... ایمان اب اس کی توجہ کا مرکز تھی...... ایمان ہو بہو تیمور کی ہم شکل تھی۔ تیمور ہی کی طرح سرخ و سفید رنگ، سیاہ بال اور سیاہ آنکھیں...... اس کے جیسے نقوش، ایمان کو دیکھ کر وہ بہت عجیب قسم کے جذبات کا شکار ہو جاتی...... ایک طرف بیٹی کی محبت تو دوسری طرف تیمور کے لیے شدید نفرت کے ملے جلے جذبات اسے عجیب سے ہیجان میں مبتلا کر دیتے۔ اس نے تیمور کی ساری تصویریں جلا دیں...... اس کے چھوڑے ہوئے برائے نام سامان کو کچرے میں پھینک دیا...... اور ایمان تیمور...... ایما اسمتھ بنا دی گئی مگر وہ شاید خون کے جوش مارنے والے فارمولے سے لاعلم تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ایما کے پاس تیمور کی ایک تصویر موجود ہے...... وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی بیٹی بھی اس کی طرح محبت اور نفرت کے عجیب و غریب دوراہے پر کھڑی ایک پیچیدہ شخصیت بنتی جا رہی ہے۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ جس بیٹی کو وہ اپنی زندگی کی واحد امید اور مقصد سمجھتے ہوئے پیار سے پال رہی ہے...... وہ ذہین ہے، سمجھدار ہے اور ڈاکٹر بن رہی ہے...... ایما اسمتھ کو سب انگریز ہی سمجھتے تھے...... کسی کو کبھی یہ شک بھی نہیں گزرا کہ اس کا باپ ایشیائی تھا...... ایک مسلمان تھا...... اور...... اور نہ ہی کبھی اس نے کسی کو بتایا۔ ایما نے جب رائل کالج آف سرجنز میں داخلہ لیا اس کے ذہن کی گرہیں مزید پُرپیچ ہوتی چلی گئی تھیں...... اس کے کالج میں بے شمار غیر ملکی جن میں ایشیائی بھی شامل تھے...... زیرِ تعلیم تھے...... وہ چپکے، چپکے ایشیائی مردوں کو گھورا

کرتی...... وہ ان میں اپنے باپ کی شبیہہ ڈھونڈا کرتی تھی......اس نے غیر ملکی تو ایک طرف اپنے کسی ہم وطن سے بھی دوستی کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ دوستی اس کے لیے بڑا ہی بے اعتبار تعلق تھا۔

سلمان اس کا کلاس فیلو تھا۔ انتہائی سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ نہ جانے سچ تھا یا اسے لگتا تھا کہ سلمان کی شکل تیمور آفریدی سے مشابہ ہے۔ حالانکہ سلمان تیمور آفریدی کی طرح سرخ و سفید نہیں تھا...... مگر پھر بھی کچھ تھا ضرور جو اسے چونکا دیتا۔

''کہیں یہ ڈیڈ کا رشتے دار تو نہیں......؟'' اس کے ذہن میں کھُد بُد ہونے لگی۔ اس تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے ایک دن وہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔

''کیا آپ تیمور آفریدی کو جانتے ہیں؟''

''نہیں، مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' وہ پہلے تو حیران ہوا...... تھوڑی دیر سوچتا رہا...... پھر بولا۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی......'' وہ مایوسی کے عالم میں مڑنے لگی مگر سلمان کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''دیکھیں میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں، یہاں میرے بہت سے جاننے والے ہیں جن کا تعلق پاکستانی کمیونٹی سے ہے، کیا وہ صاحب یہیں رہتے ہیں؟''

''جی نہیں...... شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے رک کر کہا اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

یہ اس کی سلمان سے پہلی تفصیلی گفتگو تھی۔

اس کے بعد جب بھی اس کا سامنا سلمان سے ہوا تو وہ اسے بری طرح اگنور کر دیتی لیکن اسے حیرت سلمان پر تھی اس نے بھی اس سے مخاطب ہونے کی کوشش تو درکنار ایک نگاہِ غلط ڈالنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی تھی...... جبکہ لڑکوں اور خصوصاً ایشیائی لڑکوں کے بارے میں اس کا مشاہدہ یہ تھا کہ وہ ذرا سی لفٹ ملنے پر لڑکی کے گھر تک پہنچ جاتے ہیں...... سلمان عجیب ثابت ہوا تھا۔

وہ خواہ مخواہ دور، دور سے سلمان کو دیکھتی.... جانچتی اور پرکھتی رہی...... اس کی زیادہ لوگوں سے دوستی نہیں تھی۔ خصوصاً لڑکیوں سے تو وہ دور ہی رہتا تھا۔ حالانکہ اس کی پُرکشش شخصیت پر بہت ساری لڑکیاں مر مٹنے کو تیار تھیں مگر وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ ذہین تھا، پڑھاکو بھی تھا...... اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کر کے رہ رہا تھا...... مالی طور پر بھی خوشحال نظر آتا تھا۔

ایما کو جھنجلاہٹ ہونے لگی...... نہ وہ اس کی طرف دیکھتا اور نہ ہی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا...... ایما کی خواہش تھی کہ سلمان اس کی طرف خود ہاتھ بڑھائے...... اسے سلمان اچھا لگنے لگا تھا مگر سلمان کی طرف مکمل خاموشی تھی۔

''آپ پاکستانی ہیں......؟'' تنگ آ کے وہ اپنی انا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پھر اس کے قریب جا پہنچی۔

''جی......'' وہ ایک بار پھر حیران رہ گیا...... بالکل اُسی طرح جیسے دو ماہ قبل اس نے سوال کیا تھا۔ ''آپ تیمور آفریدی کو جانتے ہیں؟'' جسے سننے کے بعد حیران ہو گیا تھا۔

''نہ جانے اسے حیران ہونے کا اتنا شوق کیوں ہے۔'' ایما نے جھنجلا کے سوچا۔

''آپ کس شہر سے ہیں......؟'' اس نے خواہ مخواہ پوچھا۔

''پیدا تو کراچی میں ہوا تھا مگر میرے والدین اسلام آباد میں رہتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ اس نے ایک بار بھی تکلفاً اسے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا حالانکہ جس بینچ پر وہ براجمان تھا وہ پوری خالی تھی۔

ایما ڈھیٹ بن کے خود ہی دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں......؟'' اس بار سوال اس کی طرف سے آیا۔

''بس یونہی......'' وہ گڑبڑائی۔

''دیکھیں، میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر آپ کو کسی کی تلاش ہے تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' وہ کچھ سوچ کے بولا۔

''آپ کے فادر کیا کرتے ہیں؟'' اس نے سلمان کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ آرمی میں تھے...... بریگیڈیر، ابھی ریٹائر ہوئے ہیں۔'' اس بار اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔ جیسے وہ ایما کے سوالوں پر اکتا گیا ہو۔

''تو آپ آرمی میں کیوں نہیں گئے؟'' ایما نے گفتگو برائے گفتگو کی۔ یہ وہ سوال تھا جو وہ پچھلے پانچ چھ سالوں میں اَن گنت لوگوں سے اَن گنت مرتبہ سن چکا تھا اور ہر بار جواب دیتے ہوئے جھنجلایا ہی تھا۔ اس کی پرانی کوفت عود کر آئی۔

''کیوں...... کیا آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار گزرا ہے......؟''

''نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ پھر گڑبڑائی۔

''اگر آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے تو بتائیں...... ورنہ اجازت دیں...... پلیز ڈونٹ مائنڈ...... دراصل آج کھانا بنانے کی باری میری ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ایما بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

اس نے قدم آگے بڑھائے تو ایما بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔

''آپ کو کھانا بنانا آتا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں...... یہاں آ کے ہی سیکھا ہے۔'' وہ پہلی بار مسکرایا۔

''میں یہاں اپنی مام کے ساتھ رہتی ہوں......'' اس نے اس کے پوچھے بغیر ہی اپنے بارے میں بتایا۔

''ہوں......'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''میری مام بہت اچھی ہیں......'' اس نے بے تکی سی بات کی۔

وہ بہت تیز چل رہا تھا اور اس کا ساتھ دینے کے لیے ایما کو تقریباً دوڑنا پڑ رہا تھا۔

''یقیناً......'' وہ چلتا رہا...... جیسے اس سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا ہو۔ ایما جھنجلا گئی۔

''کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گے؟'' اس نے بے اختیار کہہ دیا۔

''جی......!'' وہ چلتے چلتے ایک دم رک گیا۔

''میں یہاں دوستیاں کرنے نہیں آیا ہوں...... صرف پڑھنے آیا ہوں۔'' اس کا لہجہ اس بار سخت تھا۔

''آپ غلط سمجھے...... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' ایما ایک دم بنش کر گئی۔

''پھر کیا...... مطلب تھا آپ کا......؟'' وہ بدستور خفگی سے بولا۔

''میں...... وہ...... آئی ایم سوری......'' نہ جانے کیا ہوا، ایما کی آنکھیں ایک دم آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ الٹے قدموں دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ سلمان حیرت زدہ سا وہاں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

کراچی پورے چار ماہ کے بعد آنا ہوا تھا۔

کاشف اس کی آمد سے دو دن پہلے ہی پہنچا تھا۔ کاشف اور عائزہ کے ساتھ ان کی نومولود بیٹی شزا سب کی آنکھوں کا تارہ بنی ہوئی تھی۔ شہلا اور نائلہ بھی اپنے، اپنے خاندان کے ساتھ اس سے ملنے کو موجود تھیں۔ رونقیں اپنے عروج پر تھیں...... اس نے شزا کو گود میں لے کر خوب پیار کیا اور اسے محبت سے دیکھنے لگی۔

''بالکل کاشف پر گئی ہے۔'' اس نے ماما کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں...... انہوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا......

بس ان کی نگاہوں میں ایک عجیب سا شکوہ تھا...... اس نے گھبرا کر نگاہیں چرالیں۔

''تمہیں پی لیو (p leave) لے کر آنا چاہیے تھا۔ دس بارہ دنوں میں آنا جانا کیا پتا چلے گا۔'' شہلا نے گلہ کیا۔

''یہ بھی ان کی مہربانی ہے کہ یہاں آگئیں، اپنے چاچو کے گھر نہیں رک گئیں......'' ماما کا لہجہ طنزیہ تھا۔

بہنیں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کے رہ گئیں۔

''تمہاری پنڈی میں پوسٹنگ کب تک رہے گی؟'' نائلہ نے پوچھا۔

''ابھی تو صرف آٹھ ماہ ہوئے ہیں پنڈی میں...... کم سے کم ڈیڑھ سال تو لگے گا۔'' اس نے شزا کو عائزہ کے حوالے کرتے ہوئے جواب دیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی اور وہ بے چین ہونے لگی تھی۔ عائزہ، شزا کو فیڈ کروانے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

''عائلہ اب بس بہت ہوگئی اب تم شادی کرلو۔'' شہلا نے جلدی سے کہا۔

''کس سے ......؟'' عائلہ کے ہونٹوں سے ایک دم پھسلا۔

''کس سے یہ میں بتاؤں......؟ پچھلے دس سالوں سے تم آنے والے ہر اچھے سے اچھے رشتے کو منع کررہی ہو...... جب تم نے ایف ایس سی پاس کیا، جب تم ڈاکٹر بنیں اور جب سے تم نے پریکٹس شروع کی...... ڈاکٹر، انجینئر، آرمی آفیسر...... کون تھا جو تمہارا سوالی نہیں بنا...... مگر تمہاری ایک نہ...... ہاں میں نہیں بدلی......'' ماما کو غصہ آگیا۔

''ماما ریلیکس......'' شہلا ماں کی پیٹھ تھپکنے لگی۔

''شہلا اور نائلہ کے بچے ماشاء اللہ جوان ہونے کو آئے ہیں۔ تم سے دو سال چھوٹا کاشف بھی بیٹی کا باپ بن گیا...... ہمیں اور کتنا آزماؤ گی تم......؟'' ماما نے اس بار رونا شروع کردیا۔ وہ اٹھ کے ماں کے قریب آئی اور ان کی گود میں سر رکھ کے ان کے ہاتھ سہلانے لگی......

''ماما پلیز...... خود کو سنبھالیں...... کرلوں گی شادی بھی...... جلدی کیا ہے؟''

''تم نے میجر بننے تک کی مہلت مانگی تھی اپنے بابا سے...... اب تمہارا پروموشن ہوچکا ہے...... اور کتنا ٹائم چاہیے تمہیں......؟'' عائلہ اب تو لوگ بھی باتیں بنانے لگے ہیں۔ تمہارا وقاص بھائی کے گھر بھاگ بھاگ کے جانا، شادی نہ کرنا...... کیوں اپنا تماشا بنوا رہی ہو......؟'' ماما روہانسی ہوکے بولیں۔

''ماما رہنے دیں...... لوگوں کی تو پروا کرنی ہی نہیں چاہیے...... لوگوں کا کام ہی باتیں بنانا ہے...... کسی کی شادی جلدی ہوجائے تو باتیں، دیر سے ہو تو باتیں، بچہ نہ ہو تو باتیں ہی باتیں...... چھوڑیں لوگوں کو۔'' موقع کی نزاکت دیکھ کر نائلہ درمیان میں کودی۔

''جب لوگوں کے ہی درمیان رہنا ہو تو پروا کرنی پڑتی ہے۔'' ماما سرد مہری سے بولیں۔ شہلا نے عائلہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

''سنا ہے سلمان پاکستان آرہا ہے۔'' ماما کو اچانک یاد آیا۔

''جی ہاں، اب تک تو پہنچ چکے ہوں گے۔'' عائلہ نے جواب دیا۔

''وقاص بھائی نے خود فون کرکے وقار کو بتایا تھا...... شاید وہ مستقلاً واپس آرہا ہے۔'' انہوں نے عائلہ کو بغور دیکھا۔

''چاچو ان کے مستقل واپس آنے سے خوش نہیں ہیں۔'' عائلہ نے بتایا۔

''کیوں خوش نہیں ہوں گے...... اوپر، اوپر سے ناراضی دکھا رہے ہوں گے اور دل ہی دل میں خوش ہوں گے۔'' ماما خفگی سے بولیں۔

''کیا بیوی اور بیٹے کو بھی لارہا ہے؟'' نائلہ نے پوچھا۔

''کیوں نہیں لارہا ہوگا بیوی اور بیٹے کو، ساتھ نہیں آرہے ہوں گے تو کچھ عرصے کے بعد آجائیں گے۔ تمہیں یاد نہیں، کچھ عرصے پہلے جب اپنی بیوی اور بیٹے کو وقاص بھائی سے ملانے لایا تھا تو وقاص بھائی پوتے کی شکل دیکھ کر پگھل گئے تھے۔ قبول کرلیا تھا پوتے کو بھی اس کی ماں کو بھی...... ہونہہ...... اصل محبت تو ہوتی ہی خون کے رشتوں کی ہے، باقی تو سب دکھاوا ہے...... یہ بات اس بے وقوف لڑکی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔'' ان کے دل سے بیٹی کے مسترد کیے جانے کا ملال کسی طور نہیں جارہا تھا۔ سخت لہجے میں کہتی ہی چلی گئیں۔

''ماما پلیز...... خون کا رشتہ تو ان کا مجھ سے بھی ہے۔'' عائلہ زچ ہوکر بولی۔

''بس میں نے کہہ دیا...... مجھے تمہارا وہاں جانا بالکل پسند نہیں......'' بالآخر وہ کھل کے بولیں۔

''ماما دیکھیں...... جو کچھ بھی ہوا...... اس میں بہرحال چاچو یا چاچی کا کوئی قصور نہیں۔ چاچو مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے، محبت کے علاوہ ان کے مجھ پر بے تحاشا احسانات بھی ہیں۔ میری تعلیم کے دوران آپ لوگ تو وہاں نہیں تھے مگر چاچو اور چاچی نے مجھے آپ لوگوں کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ میں اسپتال میں ہوتی تھی مگر وہ لوگ برابر میری خبر گیری کرتے تھے...... ویک اینڈز اور مختصر چھٹیاں میں ان کے گھر گزارتی تھی اور وہ میری آؤ بھگت کیا کرتے تھے۔ اب آپ بتائیں کہ اگر اب انہیں میری ضرورت پڑے تو میں انہیں ''نہ'' کیسے کرسکتی ہوں اور یہی بات ہے میں چاچو سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی اپنے بابا سے۔'' اس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''خیر ماما فکر نہ کریں...... اب تو سلمان آہی رہا ہے۔ سنبھال لے گا وہ اپنے ماں باپ کو، عائلہ کو اب وہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔'' شہلا جلدی سے بولی۔

''کیا واقعی......؟ سلمان کی آمد کے بعد چاچو کو میری ضرورت نہیں رہے گی؟'' عائلہ نے شہلا کی بات پر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

''کب پہنچ رہا ہے وہ......؟'' بریگیڈیر وقاص نے اخبار پر نظریں جمائے برابر میں بیٹھی بیگم سے... سرسری انداز میں پوچھا۔

''فلائٹ روانہ ہوچکی ہے، پہنچ جائے گا ایک ڈیڑھ گھنٹے میں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''ڈرائیور کو بتادیا ائرپورٹ جانے کا؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''سلمان نے منع کردیا ہے، کہہ رہا تھا کہ خود ہی آجاؤں گا۔'' ارسلہ نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''بڑی پل پل کی خبریں رہتی ہیں آپ کو اپنے صاحبزادے کی...... ایک ہم ہی بے خبر رہتے ہیں۔'' انہوں نے اخبار سے نظریں ہٹا کر بیوی کو گھورا۔

''روانگی سے پہلے اس نے فون کیا تھا۔'' وہ نظریں چرا کر بولیں۔

''اچھا...... مجھ سے تو بات کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے صاحبزادے۔'' وہ شکایتاً بولے۔

''آپ سو رہے تھے اور اس نے اٹھانے سے منع کیا تھا۔'' وہ زچ ہوگئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ شوہر اور بیٹے کے آمنے سامنے ہونے پر متوقع حالات سے کیسے نمٹیں گی...... بریگیڈیر صاحب کو ہر بات سینسر کرکے بتاتے، بتاتے وہ تھک سی گئی تھیں۔

''اکیلا آرہا ہے؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''جی......'' وہ اتنا کہہ کر مزید سوالوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ایمان کو فون ملاؤ۔'' انہوں نے اخبار تہ کر کے رکھتے ہوئے حکم صادر کیا۔

''کیوں......؟'' ارسلہ کے لہجے میں حیرانی سے زیادہ پریشانی تھی۔

''کیوں، کیا مطلب......؟ بھئی مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

''وقت دیکھیں...... نو بھی پورے نہیں بجے......ابھی تو وہاں رات ہی ہوگی چند گھنٹوں کے بعد بات کرلیجیے گا۔'' انہیں بروقت جواب سوجھا۔

''ہاں ٹھیک ہے کچھ گھنٹوں کے بعد سہی...... ویسے سلمان کا آنا اگر بے حد ضروری تھا تب بھی اسے اکیلے ہرگز نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

''وہ نوکری چھوڑ کے آرہا ہے اور اس کی بیوی ایسا نہیں چاہتی تھی۔'' ارسلہ کی جھنجلاہٹ میں ان کے منہ سے وہ بات نکل گئی جو سلمان کے آنے سے پہلے وہ بریگیڈیئر صاحب کو بتانا نہیں چاہتی تھیں۔

''تو کیا بیوی اور بیٹے کو چھوڑ کر آرہا ہے؟'' وہ زور سے چونکے۔

''آجائے گا تو سارے سوال اسے سامنے بٹھا کے پوچھ لیجیے گا۔'' وہ یہ کہتی ہوئی تیز تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئیں۔

وقاص صاحب کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں واضح تھیں۔

''مجھے تم سے کبھی کسی عقل مندی کی امید نہیں رہی ہے سلمان۔'' وہ بڑبڑائے۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ سلمان کو کالج کے پارک کے ایک گوشے میں نظر آئی۔

وہ تنہا بیٹھی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ آج بہت اہم لیکچر تھا اس کا اس طرح بے نیازی سے بیٹھے رہنا سلمان کو عجیب لگا...... وہ خود کچھ لیٹ ہوگیا تھا اور لیکچر شروع ہی ہونے والا تھا......اس کو کل والے واقعے پر ہلکا سا افسوس ہوا...... مغربی لڑکیاں، کھلا ڈلا ماحول اس کا ردِ عمل اسی پس منظر میں کچھ زیادہ ہی سخت ہوگیا تھا...... ہوسکتا ہے واقعی اس کا کوئی غلط مطلب نہ رہا ہو۔ اس سے صرف سیدھی سادی دوستی کرنا چاہتی ہو۔ سلمان کو خیال آیا کہ اس سے معذرت کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ وہ اس کے نزدیک جا پہنچا۔

''ہیلو......!''

اس نے نگاہ اٹھا کر سلمان کی طرف دیکھا۔

سلمان نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... غالباً وہ رو رہی تھی...... سلمان کو دیکھ کر اس نے فوراً نظریں جھکالیں۔

''کیا ہوا......؟'' وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر وہ واقعی وہ پریشان ہوگیا تھا۔

''کچھ نہیں......'' اس کا لہجہ بھرّایا ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری...... مجھے کل اس طرح ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' سلمان جھجکتے ہوئے بولا۔

''اٹس اوکے......'' وہ کہتے ہوئے اٹھی اور آگے بڑھ گئی۔

''کہاں جارہی ہو؟'' سلمان فوراً اس کے پیچھے لپکتے ہوئے بولا۔

''لیکچر تھیٹر میں جارہی ہوں...... کیا تمہیں آج کا شیڈول نہیں معلوم۔'' وہ یہ کہتے ہوئے بالکل نارمل نظر آئی۔ سلمان نے شکر کی سانس لی۔ وہ دونوں ایک ساتھ آگے بڑھ گئے۔

لیکچر ختم ہونے کے بعد وہ باہر نکلی تو سلمان پھر اس کے پیچھے پیچھے تھا...... اسے جھنجلاہٹ ہونے لگی...... اگر اس کے بڑھائے ہوئے دوستی کے ہاتھ کو تھام کر سلمان اس کے ساتھ ہوتا تو اسے بہت اچھا لگتا مگر اب نہیں...... اب اسے اپنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سلمان پر ایک نگاہِ غلط ڈالی۔

''لگتا ہے تم نے مجھے دل سے معاف نہیں کیا ہے۔'' سلمان اسے اپنی جانب دیکھتے پا کے جلدی سے بولا۔

''یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا؟'' ایما سپاٹ لہجے میں بولی۔

''دوست ایسے تو بی ہیو نہیں کرتے جیسے تم کررہی ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''تم سے یہ کس نے کہا کہ تم میرے دوست ہو؟'' وہ چڑ کے بولی۔

''کل تم ہی نے تو کہا تھا۔'' وہ پھر مسکرایا۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی......اب میں تم سے سوری کرتی ہوں۔'' وہ زور سے بولی۔ سلمان کو اس سے بات کرتے ہوئے مزہ آنے لگا تھا۔ اس نے اس نوعیت کی گوری پہلے نہیں دیکھی تھی جس کے مزاج میں اتنا زیادہ ایشیائی پَچ تھا۔

''کیا تمہارے ماں، باپ میں سے کوئی پاکستانی ہے؟'' سلمان نے ایک دم پوچھ لیا۔

وہ چلتے چلتے ایک دم رک گئی......اس کی طرف مڑی اور بولی۔ ''یہ تم سے کس نے کہا؟''

''کسی نے بھی نہیں...... میں تو بس یونہی پوچھ رہا تھا......'' اس کے اس قدر چونکنے پر سلمان کو حیرت ہوئی۔

''میری ماں انگریز ہے۔'' اس نے اس کے سوال کا آدھا جواب دیا۔

''اور باپ......؟'' سلمان نے خواہ مخواہ جرح کی۔

''وہ اب نہیں ہیں اور مجھے ان کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''اوہ، مجھے افسوس ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

وہ خاموشی سے چلتی رہی۔

''تم کہاں رہتی ہو؟'' سلمان نے پوچھا۔

''کیا تم میرے گھر آؤ گے؟'' وہ خفا انداز میں بولی۔

''نہیں...... میں نے سوچا کہ تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کردوں...... میرے پاس کار ہے۔'' سلمان نے سادگی سے کہا۔

''نہیں شکریہ...... میں اجنبیوں کی گاڑی میں سفر نہیں کرتی......'' اس نے قدم ایک دم تیز کردیے۔

سلمان وہیں کھڑا سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''محترمہ تو سچ مچ بہت زیادہ ناراض ہوگئی ہیں...... خیر، میں نے تو اپنی بدسلوکی کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کرلی...... آگے ان کی مرضی......'' اس نے سوچا اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں آگے بڑھ گیا۔

ایما نے درخت کے پیچھے سے سلمان کو جاتے دیکھا۔ اس نے والٹ میں سے ڈیڈ کی تصویر نکالی...... اسے ہمیشہ سے یہ حسرت تھی کہ ڈیڈ اس سے پیار کریں...... اسے گلے لگائیں، اس کی کامیابیوں پر اسے شاباش دیں......اس کی دھندلی، دھندلی یادوں میں ڈیڈ کی محبت کے عکس موجود تھے۔ اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ڈیڈ یوں اچانک اسے چھوڑ جائیں گے......وہ بھی اس طرح کہ دوبارہ ملنے کی کوئی امید ہی باقی نہیں ہوگی...... وہ کب تک لپک، لپک کے ڈیڈ کے سراب کے پیچھے بھاگتی رہے گی''۔ آپ اور آپ کے ملک کے لوگ بہت عجیب ہیں ڈیڈ......'' اس نے ان کی تصویر کو مخاطب کرکے کہا۔ اس کی آنکھیں پھر سے گیلی ہونے لگی تھیں ''۔ ڈاکٹر ایما اسمتھ اگر یہی حالات رہے تو جلد ہی تمہیں خود کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' اس نے آنکھیں پونچھیں اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

بارہ سال بہت لمبی مدت ہوتی ہے۔ وہ بارہ برس قبل ایک نئی دنیا کی دریافت کی آرزو لیے اس

ملک سے چلا تھا اور وہ نئی دنیا اس نے صرف دریافت ہی نہیں بلکہ فتح بھی کر لی تھی۔ جب وہ یہاں سے گیا تھا اس وقت چوبیس سالہ فریش گریجویٹ، ڈاکٹر سلمان وقاص ایم بی بی ایس تھا......اور اب وہ عمر کی چھتیس بہاریں دیکھنے کے بعد اپنے نام کے آگے مزید کوالیفیکشنز کے اضافے کے ساتھ ایک بھاری بھرکم شخصیت بن چکا تھا۔ اسے امید تھی کہ پاکستان میں لوگ اس کے نام، ڈگریوں اور تجربے سے مرعوب ہو جائیں گے۔

وہ ان بارہ برسوں میں صرف ایک بار پاکستان آیا...... وہ بھی صرف تین ہفتوں کے لیے......اس کے پاس لوگوں، چیزوں اور شہروں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا مگر اس بار وہ توجہ سے ہر چیز کو دیکھ رہا تھا۔

کراچی تو بہت زیادہ تبدیل ہو گیا تھا مگر لاہور اور اسلام آباد میں بھی اس نے تبدیلیاں نوٹ کیں...... یہ اور بات اس کا احساسِ برتری اسے کسی بھی چیز سے متاثر نہیں ہونے دے رہا تھا۔ گھر کے سامنے کیب رکی تو اس کے دل میں ہلکی، ہلکی سی گدگدی ہونے لگی۔ ماں، باپ سے ملنے کا خیال ہی جانفزا تھا۔ وہ اپنا سامان اٹھا کر گیٹ کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ گیٹ کھل گیا......سامنے امی کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ وہ کسی ننھے بچے کی طرح ان سے.... بے ساختہ لپٹ گیا......امی کے آنکھوں کے گوشے گیلے ہو رہے تھے اور خود اس کا بھی وہی حال تھا۔

''یہ کوئی خفیہ کیمرا تھا یا آپ کے دل میں میری آمد کے سگنلز پہنچے تھے۔ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں گیٹ پر پہنچ گیا ہوں، میں نے تو ابھی بیل بجائی ہی نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''جب سے تم نے اپنی آمد کی اطلاع دی ہے، میری آنکھیں گیٹ سے چپک گئی ہیں......تمہاری کل شام کی فلائٹ لیٹ ہوئی..پھر ڈائیورٹ ہوئی، آج صبح یہ بات چلی گئی......بس میرے دل کو دھڑکا سا تھا کہ کہیں پھر کچھ نہ ہو جائے اور تم مزید لیٹ نہ ہو جاؤ......انتظار بہت ظالم چیز ہے سلمان۔'' امی کا لہجہ افسردہ تھا۔ اس نے ماں کے چہرے کو بغور دیکھا...... بارہ برس پہلے والی تر و تازہ خوش مزاج اور ایکٹو امی بہت تھکی ہوئی اور پژمردہ نظر آ رہی تھیں......اس کے دل پر ندامت کا بوجھ آ پڑا......وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے جانے کے بعد بابا کی توپوں کا سارا رخ بے چاری امی ہی کی طرف ہو گیا تھا اور وہ اس کے حصے کی ساری گولا باری سہہ سہہ کر ادھ موئی ہو چکی تھیں۔

اس نے سوٹ کیس اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو فیض لپک کے پہنچ گیا۔

''سلام صاحب......'' وہ دانت نکالے کھڑا تھا۔

فیض جب ان کے گھر ملازمت کے لیے آیا تھا تو فقط اٹھارہ، انیس برس کا تھا تھوڑا بہت کام جانتا تھا......اور اب امی فون پہ اکثر اس کی سارے گھر کو سنبھالنے کی داستانیں سنایا کرتی تھیں۔

''کیسے ہو......؟'' اس نے فیض کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس......'' وہ خوشی سے بولا۔

''اب یہ سامان اٹھاؤ اور کمرے میں رکھ دو، کھڑے باتیں ہی بناتے رہو گے کیا......؟'' امی نے اسے گھورا۔

''جی بی بی جی!'' وہ سوٹ کیس اٹھائے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''بابا جاگ رہے ہیں......؟'' اس نے امی کے ہمراہ اندر کا رخ کرنے سے پہلے پوچھا۔

''ہوں......'' امی کی ہوں بڑی معنی خیز تھی۔

وہ خود کو بابا سے ملنے کے لیے حوصلہ دینے لگا۔ نہ جانے ان کا موڈ کیسا ہو گا وہ چاہ کے بھی امی سے نہیں پوچھ سکا۔

بابا اسٹڈی میں تھے...... اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی کی ہلکی سی چمک آئی جسے انہوں نے کمالِ مہارت سے چھپا لیا۔ وہ زبردستی ان کے گلے جا لگا۔

بچپن میں وہ جب بھی بابا کے چوڑے چکلے سینے سے لپٹتا تھا اسے محبت اور تحفظ کا احساس ملتا تھا...... بہت سارا وقت گزر گیا تھا...... بابا کمزور ہو گئے تھے اور وہ خوب چوڑا چکلا...... پہلے وہ بابا کے سینے میں سما جاتا تھا اور اب بابا اس کی آغوش میں تھے......مگر محبت اور تحفظ کا احساس اپنی جگہ پر تھا۔

''کیسے ہیں آپ......؟'' وہ ان کے قدموں میں قالین ہی پر بیٹھ گیا۔

''اوپر بیٹھو......'' انہوں نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بیوی، بچے کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟'' انہوں نے پہلا سوال یہی کیا۔ اس نے امی اور امی نے اس کی طرف دیکھا۔

''آ جائیں گے وہ بھی......'' اس نے گول مول جواب دینے کی کوشش کی۔

''کیا مطلب آ جائیں گے......؟ میں بڑی دیر سے ایمان سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اس کا نمبر نو ریپلائی ہے...... کیوں......؟'' انہوں نے جرح کی۔

''ہو سکتا ہے وہ بزی ہو......'' اس نے جلدی سے کہا۔

''آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ بزی ہو اور میری کال اٹینڈ نہ کرے...... اگر کبھی نہیں کر پاتی تھی تو فوراً کال بیک کرتی تھی اب کیا نیا ہو گیا ہے...... تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟'' انہوں نے جرح کی۔

''میری......؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

سالگرہ

یہی وہ دن تھا
جب آج سے چار سال پہلے
اسی روش پر
بنفشی بیلوں کے نرم سائے میں ہم ملے تھے
وہ لمحہ جبکہ ہمارے جسموں کو اپنے ہونے کا
حیرت آمیز، راحت افزا، نشاط اثبات مل سکا تھا
ہماری روحوں نے اپنا، اپنا نیا سنہری جسم لیا تھا
وہ ایک لمحہ......
ہماری روحوں کو اپنے
دستِ جمال سے چھو رہا ہے اب تک
نظر کو شاداب کر رہا ہے
بدن کو مہتاب کر رہا ہے
ہم اس کے مقروض ہو چکے ہیں
سو آؤ اب
اس عظیم لمحے کے نام کوئی دعا کریں ہم
اٹھائیں ہاتھ
اور محبتوں کی تمام تر شدتوں سے چاہیں
کہ جب بھی چھبیس جون کا آفتاب نکلے
تو ہم اسے ایک ساتھ دیکھیں

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: شافیہ پرویز، گوجرانوالہ

''ابھی تو یہ گھر پہنچا ہے... بات بھی کرلے گا اور آپ سے بھی کروادے گا...... ذرا دم تو لینے دیں۔'' امی نے بروقت مداخلت کی۔

''کتنے دنوں کے لیے آئے ہو......؟'' انہوں نے دوسرا فائر کیا۔ وہ خاموش رہا۔

''آپ کو بتایا تھا کہ سلمان اب مستقل پاکستان آگیا ہے۔'' امی جز بز ہو کے بولیں۔

''اور اس کے جواب میں جو کچھ میں کہتا رہا ہوں آپ نے وہ اسے بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔'' بابا کا لہجہ ایک دم تیز ہوگیا۔

بابا کی اصول پرستی، ان کا غصہ اور اب ان کی بیماری اور چڑ چڑا پن...... سب کچھ امی کے لیے آزمائش کے سوا اور کیا تھا...... اس نے دل ہی دل میں امی کے حوصلے کی داد دی جو اس گمبھیر ماحول میں بھی فیض کی لائی ہوئی چائے میں خاموشی سے چینی ملا رہی تھیں اور ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ ان کی طرف سے کوئی رسپانس نہ پا کے بابا دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''دیکھو سلمان' میری طبیعت اب ٹھیک ہے...... میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں...... برائے مہربانی تم کو جتنا رہنا ہے رہ لو اور پھر اس کے بعد واپس چلے جاؤ...... تمہاری زندگی میں اب مزید کسی بھی قسم کا ایڈونچر میں برداشت نہیں کروں گا۔''

بابا کا لہجہ دوٹوک اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

وہ ماں باپ کے پاس بیٹھ کر ان سے بہت ساری باتیں کرنا چاہ رہا تھا...... کئی سالوں کی روداد سنانا چاہ رہا تھا مگر ماحول بڑا بوجھل ہو چلا تھا۔

وہ فریش ہونے کا بہانہ کر کے وہاں سے اٹھ گیا...... اور امی اس کے آدھے پیے ہوئے چائے کے کپ کو افسردہ نگاہوں سے دیکھنے لگیں...... بریگیڈیر وقاص اخبار کے صفحے پر نظر جمائے نہ جانے کیا کھوج رہے تھے۔

☆☆☆

سلمان کی آمد کی خبر عائلہ کو مل چکی تھی۔

وہ عجیب سے شش و پنج میں مبتلا تھی...... اس خبر پہ خوش ہو یا افسردہ......؟ اور بظاہر اس کے لیے خوشی یا افسردگی...... دونوں میں سے کسی بات کے لیے کوئی جواز موجود نہ تھا...... سلمان سے اس کا ایسا کون سا تعلق تھا......؟

زندگی کی ڈور کا سرا تو بہت پہلے ہی گم ہو چکا تھا...... شاید اس وقت جب سلمان نے اس سے شادی سے انکار کیا تھا...... اور اس کے بعد زندگی خود بخود الجھتی چلی گئی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ وہ پہلے کون سا کام کرے...... سرا ڈھونڈے یا الجھی ڈور سلجھائے؟

اس نے سلمان کے خیال کو اپنے دل و دماغ سے کھرچ کھرچ کر نکالنے کی جو کوشش کی تھی وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب رہی تھی...... کچھ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات بھی تھی اور اب وہ واپس آ گیا تھا...... ایک اور امتحان...... اسے محسوس ہوا جیسے وہ خود سے جھوٹ بولتی رہی ہو...... سلمان تو کہیں گیا ہی نہیں تھا...... ہر دم، ہر لحہ اس کے ساتھ ہی تھا۔

اسے سلمان اچھا نہیں لگتا تھا بلکہ اسے سلمان کا جنون تھا...... پھر منزل قریب آتے، آتے ہمیشہ کے لیے دور ہوگئی...... اس کے سامنے اگر زندگی کا ایک واضح مقصد نہ ہوتا تو شاید وہ ٹوٹ پھوٹ کے بکھر چکی ہوتی...... اس کی تعلیم، اس کے عہدے اور اس کی ذمے داریوں نے اسے بڑا حوصلہ دیا...... اس نے خود کو سمیٹ کے دوبارہ جوڑ لیا...... بس ایک دل رہ گیا تھا جس کے ٹکڑے نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔

''مما، شہلا اور نائلہ ٹھیک کہہ رہی ہیں...... سلمان کے ہوتے ہوئے میرا وہاں جانا مناسب نہیں......'' اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا۔

☆☆☆

اسے سلمان اچھا لگا تھا...... اور شاید سلمان کو وہ...... شروع، شروع کی دو چار جھڑپوں کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ ان کے درمیان اعتماد اور دوستی کا رشتہ تھا...... دونوں ایک دوسرے کی باتیں اکثر بغیر کہے ہی سمجھ جایا کرتے تھے...... دونوں کا پروفیشن اور فیلڈ بھی ایک ہی تھی...... دونوں ہی سرجری میں فیلوشپ لینے جا رہے تھے...... دونوں کی عمریں تقریباً برابر تھیں...... رفتہ، رفتہ...... یہ دوستی محبت میں تبدیل ہوگئی اور تعلیم مکمل ہوتے ہی دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔

مام اس فیصلے سے ناخوش تھیں...... ان کے لیے ان کا اپنا تجربہ زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔ وہ مردوں اور خصوصاً ایشیائی مردوں سے نفرت کرتی تھیں تو بھلا سلمان کو کیسے پسند کرتیں...... ایما کو انہیں قائل کرنے میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑے...... وہ کھٹے دل سے مان تو گئی تھیں مگر انہیں سلمان پر اعتبار بہت دیر سے آیا تھا اب یہ اور بات وہ بے چاری مطمئن ہونے لگیں تو ایما کا اعتماد ڈانواں ڈول ہوگیا۔

ایما نے ہمیشہ اپنے مزاج کے خلاف سلمان کی بات ماننے کی کوشش کی تھی...... شادی کے لیے پہلی شرط اس نے ایما کے مسلمان ہونے کی رکھی تھی۔

ایما دل ہی دل میں خوب ہنسی...... جب سلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا نام ایمان تجویز کیا تو اسے اور زیادہ ہنسی آئی۔

سلمان نے اس کے لیے فلیٹ لیا...... اسے ہر طرح کا آرام دیا...... دونوں ہی اپنی، اپنی جاب پر چلے جاتے اور پھر واپسی کے بعد سارا وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے...... زندگی بہت خوب صورت ہوگئی تھی...... ایان کی پیدائش کے بعد اس نے کچھ عرصے کے لیے جاب سے چھٹی لے لی تھی۔ اس دور میں سلمان نے اس کا بے حد خیال رکھا......

وہ قدم، قدم پر سلمان کا موازنہ ڈیڈ سے کرتی اور ہر قدم پر سلمان اسے بہت آگے نظر آتا...... وہ مطمئن ہوتی چلی گئی۔

جب سلمان اسے اور ایان کو اپنے ماں باپ سے ملانے پاکستان لے گیا تو ایمان کا یقین اور بڑھ گیا...... ساتھ چھوڑ کے جانے والے اپنے گھر کا راستہ نہیں دکھاتے...... گو اس وقت سلمان کے گھر والوں کا ردِعمل زیادہ امید افزا نہیں تھا مگر آہستہ، آہستہ اس کی اور پھر ایان جب بڑا ہونے لگا تو اس کی بھی بات چیت سلمان کے ماں باپ سے ہونے لگی...... اور وہ لوگ ایک دوسرے کو سمجھنے اور دل سے قبول کرنے لگے۔

سب کچھ تو ٹھیک تھا...... پھر اچانک یہ کیا ہوگیا......؟ سلمان نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا...... اتنا بڑا فیصلہ وہ اسے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح باہر نکال کے، اکیلے کیسے کرسکتا تھا......؟ اسے ہتک کا احساس ہونے لگا۔ وہ دونوں تو اب ایک بیٹی کا خواب دیکھ رہے تھے...... اور یہ خوشخبری اسے انہی دنوں ملی تھی کہ وہ پھر سے ماں بننے والی ہے مگر سلمان کو سنانے سے پہلے ہی سلمان نے اپنے جانے کی خوشخبری سنا دی۔

سلمان کے جانے کے بعد وہ اس کا دیا ہوا فلیٹ چھوڑ کے مام کے پاس شفٹ ہوگئی...... مام اسے ترس بھری نگاہوں سے دیکھتیں اور وہ اندر ہی اندر کٹ جاتی۔

زندگی میں پہلی بار اسے مام کی باتوں میں وزن محسوس ہوا...... اس کے اور مام کے کیسز میں بہت ساری باتیں مختلف تھیں...... مگر انجام دونوں کا تقریباً ایک جیسا ہی ہوا تھا۔ ڈیڈ نے مام کو چھوڑ دیا تھا اور سلمان اسے چھوڑ کے جا چکا تھا۔ ڈیڈ کا مام سے رشتہ ختم ہو چکا تھا مگر اس کا اور سلمان کا رشتہ تا حال قائم تھا...... یہ حق سلمان اسے دے گیا تھا کہ وہ

جب چاہے علیحدگی حاصل کرلے۔ اتنے برسوں کا تعلق وہ کس بے دردی سے ختم کرنے کو کہہ گیا تھا...... اور ایمان اس فیصلے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی تھی۔

''کیا وہ مام کی طرح کی زندگی گزارنے کا حوصلہ رکھتی ہے؟'' یہ سوال اسے کسی ڈراؤنے خواب کی طرح پریشان کرنے لگا۔

☆☆☆

پاکستان آنے کا فیصلہ اس نے جس جلد بازی سے اور جذباتی انداز میں فوراً کرلیا تھا اور یہاں پہنچ بھی گیا تھا یہاں آکے معلوم ہوا کہ اسے اندرونی اور بیرونی دو محاذوں کا سامنا ہے۔ اندرونی محاذ بابا نے کھول رکھا تھا تو بیرونی محاذ یہاں کے حالات کا پیدا کردہ تھا۔ یہ ملک اس کا تھا...... وہ یہاں پیدا ہوا، پلا بڑھا، تعلیم حاصل کی، نہ جانے وہ دور اس دور سے بہتر تھا یا اس کی عمر کا لاابالی پن اس وقت کے مسائل سے ناآشنا تھا۔ کچھ بھی تھا...... ابھی وہ ایسے ملک سے آرہا تھا جہاں قاعدے تھے، قوانین کی پاسداری تھی اور سہولتیں تھیں...... وہ زندگی کو ایک نظم وضبط سے گزارنے کا عادی ہوچکا تھا۔ یہاں آنے کے بعد یہاں کے پھیلے ہوئے انتشار نے اسے جلد ہی بیزار کردیا۔

وہ بیکار تو نہیں بیٹھ سکتا تھا...... اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا...... پرانے دوست کے مشورے سے اس نے اپنی سی وی کئی جگہوں پر بھیج دی...... مگر اس کی کوالیفکیشن کے حساب سے کہیں سے بھی کوئی اچھی آفر نہ ہوئی...... ایک دو جگہ سے انٹرویو کال آئی بھی تو وہاں کا پیکج ایسا تھا کہ جتنا وہ انگلینڈ میں ایک ماہ میں کما لیتا تھا یہاں پورے سال میں بھی نہ ملتا۔ وہ مایوس ہونے لگا۔

''یہاں یہی ہے یار...... ویکنسیز خالی پڑی ہیں مگر بیروزگاری بھی ہے۔ کوئی کام کرنا نہیں چاہتا تو کسی کو کام نہیں مل رہا...... ملک میں تعلیم، صحت اور ترقی کے گراف نیچے جارہے ہیں مگر لوگوں کے پاس کپڑوں، فیشن، نت نئے موبائل فونز اور کھانے پینے کے لیے بہت پیسہ ہے...... عجیب گورکھ دھندا ہے بھئی......'' اس کا دوست عادل منہ بنا کر بولا۔

عادل اس کا کلاس فیلو تھا...... دونوں دوست یہیں سے ایف ایس سی کلیئر کر کے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج پہنچے تھے اور ایک ساتھ ایم بی بی ایس پاس کیا تھا۔ عادل نے یہیں سے اسپشلائزیشن کرنے کے بعد اپنی ذاتی کلینک کھول لی تھی جو بہت اچھی چل رہی تھی۔

''لوگ خرابی سے بہتری کی طرف گامزن ہونے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہماری قوم کو کیا ہوا ہے؟ یہاں تو اچھے خاصے چلتے ہوئے ادارے بند ہورہے ہیں، لا اینڈ آرڈر کی صورتِ حال انتہائی مخدوش ہے، لوگ اپنے بہتر مستقبل کی پلاننگ کرنے کے بجائے اپنے آج کو بچانے کی فکر میں گھل رہے ہیں۔'' سلمان نے طنز سے کہا۔

''ہاں تو بھائی کس نے کہا تھا کہ پاکستان آؤ...... اب آگئے ہو تو تمہارے پاس دو راستے ہیں...... ایک یہ کہ واپس چلے جاؤ دوسرا یہ کہ بس بھگتو......'' عادل نے ہنس کر کہا۔

''واپس تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

واپس کس منہ سے جاتا...... ایمان اسے یہی باتیں سمجھانے کی کوشش تو کررہی تھی...... اور پھر واپس جانے کا مطلب دوبارہ ماں اور باپ سے دوری......؟

''نہیں، میں واپس نہیں جاؤں گا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''کچھ نہ کچھ ہوجائے گا فکر مت کرو۔'' عادل نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر تسلی دی۔

''ہوں، امید تو یہی ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

اختتامی حصہ اگلے ماہ

دوسرا اور آخری حصہ
مکمل ناول
اس صدی کی محبت
سکینہ فرخ
نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا تھوڑا مشکل تو ہوتا ہی ہے...... اس نے مام کے فلیٹ میں اپنے
اور ایان کے لیے ایک کمرا سیٹ کرلیا...... چھوٹا سا فلیٹ تھا اُسے مام کے سامنے دل ہی
دل میں شرمندگی محسوس ہوتی...... وہ چاہتی تو سلمان کے فلیٹ میں آرام سے
رہ سکتی تھی۔ سلمان نے اس سے فلیٹ، جیولری، کیش یہاں تک کہ
ایان کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی تھی، وہ
سب کچھ اسے سونپ کے چلا گیا تھا مگر
خودداری بھی تو کوئی
چیز
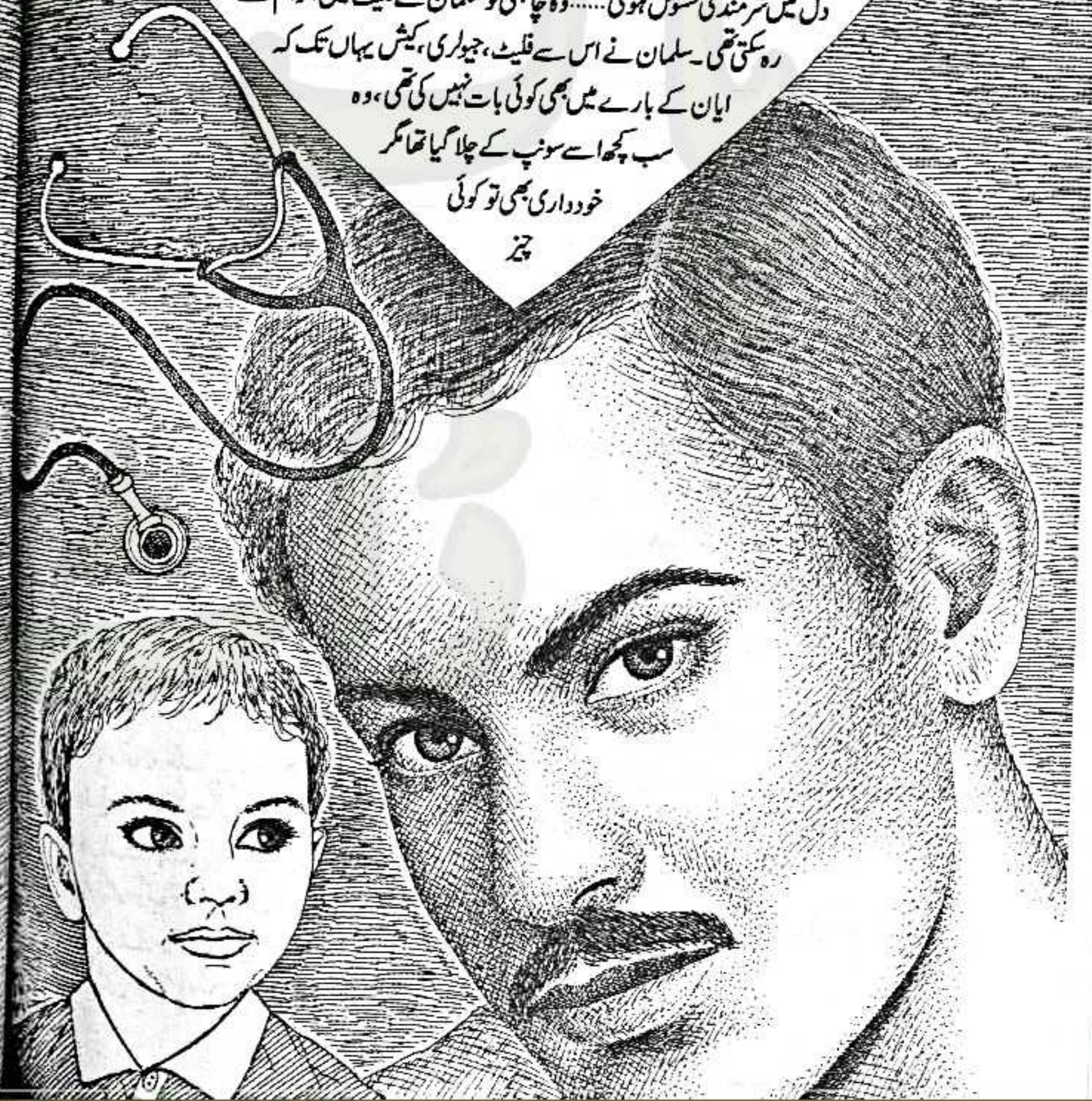
ہوتی ہے...... وہ صرف ایان کو اپنے ساتھ لے آئی تھی اور سب کچھ وہیں چھوڑ آئی تھی۔

مام اس کی دلجوئی میں کوئی کمی نہ چھوڑتیں مگر اس کی بے قراری کو قرار نہیں تھا۔ اس نے ایان کا ایڈمیشن مام کے گھر کے قریب ہی اسکول میں کروادیا تھا اور خود اپنی جاب پہ جانا شروع کردیا...... بظاہر تو سب چیزیں سیٹ ہوگئی تھیں مگر ایان...... وہ اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا جتنا ایمان نے سوچا تھا۔ ایمان اور سلمان کے ساتھ رہنے والا معصوم، بے ضرر، کھلنڈرا اور خوش باش ایان پہلے خاموش ہوا...... پھر ضدی اور اس کے بعد بدتمیز...... اس کی تان بابا پہ آکے ٹوٹتی...... اس کے ہونٹوں پر صرف ایک سوال تھا...... ”بابا کب آئیں گے؟“ ایمان کو اس کی حالت دیکھ کر اپنا بچپن یاد آیا۔

مام کے لاکھ سمجھانے اور جھوٹ بولنے کے باوجود وہ حقیقت تک پہنچ گئی تھی۔ ڈیڈ کی یادوں کے دھندلے سے خاکے اور ان کی تصویر ہمیشہ اس کے حواسوں پر سوار رہی...... ڈیڈ سے محبت اور نفرت کے امتزاج سے جنم لینے والے عجیب وغریب محسوسات ہمیشہ اس کے ساتھ رہے...... مام اسے کبھی مطمئن نہ کرسکی تھیں تو بھلا وہ کیسے ایان کو مطمئن کردیتی...... وہ تو اس عہد کا بچہ تھا، کمپیوٹر، نیٹ اور موبائل فون کے دور کی پیداوار تھا...... اپنے باپ کو جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا ایک دم کیسے بھول جاتا...... اور اس کے نہ بھولنے کا مطلب، ایمان کے لیے ایک مسلسل عذاب...... سو اس نے ایان سے کھل کے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

”تمہارے بابا نے ہم سے الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔“ اس نے ہمت جمع کرکے اس سے کہہ دیا۔

”کیوں...... آپ نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ وہ خفگی سے بولا۔

ایمان نے حیرت سے اس سات سالہ مرد کو دیکھا۔ وہ شکل صورت اور انداز میں بالکل سلمان کی کاپی تھا۔

”تمہیں لگتا ہے اس میں میرا قصور ہے......؟“

ایمان کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ گیا۔ انسان ہر ایک سے جھوٹ بول سکتا ہے، کسی کو نظروں سے گراسکتا ہے اور خود بھی کسی کی نگاہوں میں چھوٹا بن سکتا ہے، اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اولاد کی زبان سے بے اعتباری کے دو جملے سن کے ہوتی ہے۔

”مجھے کیا معلوم......؟“ اس نے کندھے اچکائے۔

”یہ میری غلطی نہیں ہے...... وہ خود پاکستان میں اپنے والدین کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اس لیے وہاں چلے گئے......“ وہ قدرے غصے سے بولی۔

”تو...... پاکستان میں اپنے والدین کے ساتھ رہنے کا مطلب ہمیں چھوڑ دینا تو نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے جرح کی۔

”انہوں نے ہمیں بھی پاکستان لے جانا چاہا تھا......“ ایمان نے دل پر پتھر رکھ کے اعتراف کیا...... ایمان نے اب تک مہذب شہریوں کی طرح اپنے اور سلمان کے اختلافات کو بچے سے دور رکھا ہوا تھا مگر یہ بچہ......؟

”تو ہم ان کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟“ وہ خفگی سے بولا۔

”اس لیے کہ ہم پاکستان میں نہیں رہ سکتے۔“ ایمان ناراضی سے بولی۔

”کیوں نہیں رہ سکتے......؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”تم پاکستان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ وہاں رہنا آسان نہیں ہے...... ہم جس ماحول کے عادی ہیں وہاں ایسا ماحول نہیں ہے...... سب کچھ مختلف ہے۔“ اس نے ایان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”میں پاکستان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا...... لیکن وہاں بابا ہوتے، وہ ہمارا خیال رکھتے پھر وہاں دادا، دادی بھی ہوتے وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے......“ وہ جلدی سے بولا۔

”بہر حال اب کچھ نہیں ہوسکتا......“ ایمان نے جلدی سے بات ختم کی۔

”کیوں نہیں ہوسکتا......؟ آپ بابا کو بتائیں کہ ہم پاکستان آسکتے ہیں......“ وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولا۔

”دیکھو ایان، ابھی ہم نانی کے گھر اتنی مشکلوں سے سیٹ ہوئے ہیں، فی الحال کہیں بھی جانا ممکن نہیں......“ اس نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے سلمان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

”مگر کیوں......؟“ وہ جھنجلا کے بولا۔

”اس لیے کہ پاکستان جانے کے لیے بہت سارے روپوں کی ضرورت ہوگی فی الحال میرے پاس نہیں ہیں۔“ اس نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

”بابا سے منگوالیں......“ اس نے جھٹ مسئلے کا حل پیش کیا۔

وہ چند منٹ بغور اپنے بیٹے کی شکل دیکھتی رہی جو اس وقت صرف اور صرف سلمان کا بیٹا محسوس ہورہا تھا...... ”تمہیں ہر قیمت پر بابا ہی کے ساتھ رہنا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی......“ ایان نے زور سے سر ہلایا۔

”اور میں...... میرا کیا ہوگا......؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”آپ کو بھی ہمارے ساتھ رہنا ہوگا......“ اس نے ’ہمارے‘ پر زور دے کر کہا۔

”اوکے......“ ایمان نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی۔

ایان کو اپنی کامیابی کی اتنی جلدی امید نہیں تھی۔ وہ ایک دم خوش ہوکر بولا۔

”ہم کب جائیں گے؟“

”بہت جلد......“ ایمان نے اسے گلے لگالیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو ایان سے چھپانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اسے آئے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے مگر بابا کا موڈ ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ بات چیت نہیں کررہے تھے، وہ مسلسل ایمان سے کانٹیکٹ کی کوششوں میں مصروف تھے اور ناکامی کی صورت میں ان کے ماتھے کی سلوٹوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا تھا، ایمان اس کا فلیٹ چھوڑ کے جاچکی تھی، اس نے اپنا نمبر بھی بدل لیا تھا...... وہ چاہتا تو کسی نہ کسی طرح اس سے رابطہ کرسکتا تھا مگر وہ خود ہی ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اور ایمان ٹھنڈے دل ودماغ سے اس معاملے کے بارے میں سوچ بچار کرسکیں مگر بابا...... وہ تو نہ خود سکون میں تھے نہ اسے رہنے دے رہے تھے۔

”میں نے کہا بھی تھا عائلہ سے کہ واپسی پر یہاں کا چکر ضرور لگائے...... اب دیکھ لو اسے، کراچی سے واپس آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ ہورہا ہے مگر توفیق ہی نہیں ہورہی کہ ملنے آجائے، بس خالی خولی فون کرکے خیریت کا تبادلہ کرلیتی ہے اور دو چار بہانے گھڑ کے نہ آنے کا جواز بنالیتی ہے۔“ امی اسے چائے کا کپ تھما کے جھنجلا کے بولیں۔ شاید بابا نے بھی انہیں کچھ تلخ وشیریں سنایا تھا جس کی بھڑاس وہ عائلہ پر نکال رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگا...... اسے عائلہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”اب دیکھو، پنڈی اور اسلام آباد میں فاصلہ ہی کتنا ہے...... تمہارے بابا کی تو شدید خواہش تھی کہ وہ اس پوسٹنگ کے دوران ہمارے ساتھ ہی رہے مگر محترمہ بہانے بنا کر وہیں مقیم ہوگئیں، اس پر مہربانی کرتی رہیں کہ ویک اینڈ ہمارے ساتھ گزار لیا کرتی تھیں اب اس سے بھی گئیں...... تمہارے بابا...کی صحت ٹھیک ہوتی تو وہ خود نہ جانے کتنے چکر اس کے پاس لگالیتے اب مجبور ہیں تو بیٹھ کر کڑھتے رہتے ہیں۔“ وہ بہت غصے میں نظر آرہی تھیں۔

”ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی بزی ہو......“ سلمان نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”میں کچھ نہیں جانتی...... کل ہفتہ ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور اسے زبردستی یہاں لے آؤ، تمہارے بابا کا علاج صرف اُسی کے پاس ہے۔“ وہ اس بار تھکے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”کون...... میں......؟“ وہ زور سے چونکا۔

”ہاں تم......“ وہ پھر سے تیز ہوگئیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے...... کم از کم یہ کام وہ ہرگز کرنا نہیں چاہتا تھا...... اس کی خاموشی دیکھ کر امی پھر بولیں۔

”سلمان تم ہمیشہ ہر چیز گڑبڑ کیوں کردیتے ہو...... کرتے پہلے اور سوچتے بعد میں ہو...... اور ساری گڑبڑ کا آغاز وہاں سے ہوا جب تم نے عائلہ سے شادی کا انکار کیا...... اگر تم عائلہ سے......“ وہ کہتے کہتے رکیں۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولیں۔ ”تو شاید زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی...... نہ تمہاری اور نہ میری......“ وہ اٹھیں اور

کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''عائلہ سے شادی......'' اس نے کوفت کے عالم میں سوچا۔ ''سارا قصور ایمان کا ہے...... اگر وہ ساتھ آجاتی تو شاید یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا...... ایمان اور ایان کی موجودگی میں بابا کا موڈ یقیناً اچھا رہتا...... وہ ٹھیک ہوتے تو مما بھی خوش رہتیں...... کسی کو عائلہ کی یاد نہیں آتی......'' اس نے سارا ملبہ ایمان پر ڈال دیا۔

''ضدی عورت...... نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ اور میرا بیٹا......'' اس کی نگاہوں میں ایان کی شکل گھوم گئی۔ خون نے ایک دم جوش مارا۔

''ایان میرا بیٹا ہے اور میرا ہی رہے گا، چاہے میرے پاس ہو یا دور......'' اس نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

ویک اینڈ پھر آگیا تھا...... ''یہ ویک اینڈ اتنی جلدی کیوں آنے لگے ہیں......؟'' اس نے جھنجلا کے سوچا...... ویک اینڈ اس کے لیے نائٹ میئر بن کے رہ گیا تھا۔

اس نے کچھ سوچا اور ہمت کر کے چاچی کا نمبر ملایا۔ سلام کے تبادلے کے بعد اس نے آواز میں خاطر خواہ کمزوری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''کل سے مجھے بخار ہوگیا ہے۔''

''اوہو طبیعت تو کافی زیادہ خراب لگ رہی ہے میجر عائلہ وقار آپ کی۔'' چاچی کا لہجہ مزاحیہ تھا یا طنزیہ اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔

''جی بس...... فلو بھی ہے۔'' اس نے کھنکھارتے ہوئے جواب دیا۔

''چاچو سے تو بات ہوگئی ہوگی تمہاری......'' انہوں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کریدا۔

''جی...... وہ تو ہوتی رہتی ہے۔'' اس نے حیران ہو کے کہا۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو......'' انہوں نے آرام کا لفظ خوب کھینچ کے ادا کیا۔ چاچی نے اسے ایک بار بھی آنے کو نہیں کہا...... شاید ناراض ہوگئی تھیں ورنہ پہلے تو اصرار کرکر کے بلایا کرتی تھیں۔ لانگ ویک اینڈ تھا اس بار...... مگر اس کے پاس پورا ہفتہ اور اتوار دو دن کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ چاچو کے پاس جا کے اس کا اپنا دل بھی تو بہل جاتا تھا مگر اب وہاں اس کا دل دکھانے کا سامان موجود تھا۔ وہ وہاں جا بھی کیسے سکتی تھی...... اسے اپنی طبیعت میں عجیب سا اضمحلال محسوس ہونے لگا۔ اس نے سر میں خوب اچھی طرح تیل لگایا...... اور اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئی...... دفعتاً انٹرکام بجا...... اس کے لیے اطلاع تھی۔

''ڈاکٹر سلمان وقاص آپ سے ملنے آئے ہیں......'' اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

☆☆☆

''دنیا میں بہت سارے کام انسان کو دوسروں کی خوشی کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔'' امی نے اسے صبح ناشتے کے بعد ہی جانے کا حکم دے دیا تھا۔

''آپ بھی چلیں......'' وہ کچھ بدکا۔

''میں جا کے کیا کروں گی......؟ آدھے گھنٹے کا تو راستہ ہے فٹافٹ جاؤ اور وہ جس حالت میں ہے اٹھا کے لے آؤ۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں، میری جیسے اس سے بڑی بے تکلفی ہے، جاؤں اور اٹھا کے لے آؤں...... نہ جانے وہ میس میں ہوگی یا کہیں نکلی ہوئی ہوگی۔'' وہ جھنجلایا۔

''وہ وہیں ہے...... بے چاری بڑی بیمار ہے...... ذرا آئے ناں، علاج کرتی ہوں اس کا۔'' امی نے تنک کر کہا۔

تنک آ کے اس نے چابی اٹھائی اور منہ بناتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ سلمان کو دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ اسے سلمان کی آمد کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ اسے سلام کرنا، بیٹھنے کو کہنا سب کچھ اس کے ذہن سے نکل گیا اور وہ ہونقوں کی طرح کھڑی اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''السلام علیکم......'' ناچار سلمان نے خود ہی سلام میں پہل کی۔

''وعلیکم السلام...... پلیز بیٹھیے......'' اسے ایک دم ہوش آیا۔

''چاہے کتنی ڈگریاں حاصل کر چکی ہو...... کندھوں پر رینک بھی سجا لیا ہو...... مگر رہی وہی ہونق کی ہونق......'' سلمان نے بیٹھتے ہوئے سوچا۔ بارہ برس بعد بھی اس کا

امپریشن سلمان کی نگاہوں میں بہتر ہونے سے بال، بال بچ گیا تھا۔ سلمان کو اسے دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی...... وہ شاید کسی بہتر عائلہ وقار کا تصور لے کر آیا تھا۔

چیزوں کو جب غلط ہونا ہوتا ہے، خود بخود ہوتی چلی جاتی ہیں...... وہ رات کے کپڑوں میں تھی جو ملگجے ہو چکے تھے...... نہ منہ ہاتھ دھویا تھا نہ فریش ہوئی تھی...... اوپر سے سر میں ڈھیروں تیل بھی تھوپ رکھا تھا...... چھٹی منانے کا آئیڈیا اسے بڑا مہنگا پڑا تھا۔ وہ سلمان کی آمد کی خبر سن کر اتنی حواس باختہ ہوئی کہ اپنے حلیے کا خیال ہی نہیں رہا۔

''چاچو تو ٹھیک ہیں ناں......؟'' سلمان کے چہرے پر سب کچھ نارمل نظر آتے ہوئے دیکھ کر اس نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

''ہاں...... بالکل ٹھیک ہیں، تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں......'' سلمان نے بے نیازی سے کہا۔

''ان سے بات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں نہیں آسکوں گی اور انہوں نے مان لیا تھا۔'' اس کے ذہن میں آیا کہ شاید چاچو نے انہیں اسے لانے کو بھیجا ہے...... اس لیے جلدی سے بولی۔

''انہوں نے مان لیا ہوگا مگر امی...... نہیں مانی ہیں وہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں...... چلو۔'' سلمان نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔''

''لیکن میری طبیعت کچھ خراب ہے اس لیے میں جا نہیں سکوں گی......'' اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے اپنے حلیے کا خیال آیا اور اس نے اپنے تیل لگے بالوں کو دوپٹے میں چھپاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

سلمان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''طبیعت تو تمہاری بالکل ٹھیک لگ رہی ہے، البتہ حلیہ خراب ہے، جاؤ حلیہ ٹھیک کرو اور چلو۔'' اس نے حکم سنایا۔

''وہ دراصل......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''باقی باتیں گھر جا کے......'' سلمان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں وہی پرانا رعب اور بے نیازی تھی جس سے وہ اپنے بچپن میں خائف رہا کرتی تھی۔ ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ تیار ہوتے ہوئے وہ سلمان کے بارے میں ہی سوچتی رہی......

گزرے ہوئے وقت نے سلمان پر بہت اچھا اثر چھوڑا تھا...... وہ پہلے سے کہیں زیادہ صحت مند اور خوبرو نظر آرہا تھا...... صرف مزاج پہلے ہی کی طرح تھا...... کڑوا، کسیلا...... کچھ لوگوں کو قدرت اتنی فیاضی سے نوازتی ہے کہ ان پر رشک آتا ہے...... وہ دوسروں کو اپنے آگے کچھ بھی نہ سمجھیں تو یہ ان کا حق محسوس ہوتا ہے۔

اسے سلمان میں ہمیشہ کشش محسوس ہوتی تھی مگر سلمان نے اسے کبھی اہمیت نہیں دی...... وہ اس کے گھر میں بن بلائے مہمان کی طرح ہر وقت پہنچی رہتی تھی اور اس کے باپ، ماں اور بہن کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی تھی...... بس ایک سلمان تھا جو اسے گھاس ڈالنے کا روادار نہیں تھا...... سلمان کی بے نیازی کے پیچھے کون سا محرک تھا، یہ وہ کبھی نہیں جان پائی تھی۔ سلمان نے اسے ٹھکرا دیا، ایمان سے شادی کرلی، اسے کسی بات پر اعتراض نہیں تھا...... اس نے کون سا کبھی اپنے رویے سے اسے کوئی امید دلائی تھی۔

''اچھا ہوا جو عزت رہ گئی......'' اس نے سوچا...... ''اچھا ہوا جو میرے پاگل پن کی سلمان کو کبھی ہوا نہیں لگی ورنہ آج میں اس سے آنکھیں کیسے ملاتی۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔

''اور اس عزت کے رہ جانے کی خوشی منانے کے سلسلے میں جو کچھ تم کر رہی ہو اس کا انجام جانتی ہو......؟'' ہیئر ڈرائیر سے بال سکھاتے ہوئے اس کے ہاتھ لمحے بھر کو ساکت ہوگئے۔

''شادی کرلو عائلہ ورنہ ابھی صرف ماں اور بہنیں اعتراض کر رہی ہیں، کل کو ساری دنیا تم پہ انگلی اٹھائے گی...... حقیقت عموماً تلخ ہوتی ہے...... اب اور کس بات کا انتظار ہے...... آج وہ آیا ہے، کل کو اس کی بیوی اور بیٹا بھی آجائیں گے۔'' اس نے ہینڈ بیگ میں ضرورت کی دو چار چیزیں ڈالیں، ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی اور کمرے سے باہر آگئی...... وہ اب خود کو پُراعتماد محسوس کر رہی تھی۔ سلمان اسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا...... نہ جانے کسی سے میسجنگ کر رہا تھا یا کوئی گیم کھیل رہا تھا، اس قدر محو تھا کہ عائلہ کی آمد کی

اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔

’’چلیں......‘‘ وہ اس کے سر پر پہنچ کر بولی۔

’’ہاں ......‘‘ وہ ایک دم چونکا......فون سے نظریں اٹھا کر اس کے اوپر ڈالیں اور جیسے ہٹانا بھول گیا...... اسٹائلش لباس، خوب صورتی سے کٹے ہوئے بالوں اور ہلکے، ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی، تھوڑی دیر پہلے والی عائلہ وقار سے قطعی مختلف...... عائلہ کو ہلکی سی الجھن ہوئی اس نے قدم آگے بڑھا دیے...... اگلے ہی لمحے وہ اس کا ہم قدم تھا۔

اسے سلمان کے ساتھ چلتے ہوئے ایک انجانے سے تحفظ کا احساس ہوا۔ کار میں بیٹھنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سلمان ہی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

’’تو تمہارا آرمی میں جانے کا خواب پورا ہو گیا۔‘‘

’’جی......؟‘‘ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

’’اچھی لائف ہوتی ہے...... آئی مین، جن کو پسند ہے ان کے لیے اچھی ہوتی ہے۔‘‘ اس نے کندھے اچکا کے کہا۔

’’میں آرمی میں چاچو کی وجہ سے گئی ہوں......‘‘ اس نے اسے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

’’جانتا ہوں، جو کام میں نہ کر سکا وہ تم نے کر دکھایا...... واہ......!‘‘ اس نے ایک دم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا...... وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

’’تمہیں بھی تو شہر، شہر گھومنے کا شوق تھا خیر کہاں، کہاں سروکر چکی ہو؟‘‘ اس نے پھر پوچھا۔

’’پاس آؤٹ ہونے کے بعد ملتان سی ایم ایچ وہاں تین سال رہی پھر اس کے بعد جہلم پھر ابھی پنڈی......‘‘ اس نے اپنے سفر کی روداد سنائی۔

’’بابا کے اٹیک کے وقت تم جہلم میں تھیں ناں......؟‘‘ اس نے کریدا۔

’’جی......‘‘ اس نے سر ہلایا۔

’’امی نے بتایا تھا، تم نے بابا کا بہت خیال رکھا۔‘‘ اس نے اعتراف کیا۔

’’جہلم سے اسلام آباد دور ہی کتنا ہے...... اچھا ہے جو اس وقت میں ان سے قریب تھی اگر دور ہوتی تو مشکل ہو جاتی۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’پھر بھی اتنی پابندیوں سے بھرپور ملازمت کو جاری رکھتے ہوئے دوسروں کے لیے وقت نکالنا بڑی بات ہوتی ہے...... تم نے یقیناً مشکل سے ہی مینج کیا ہوگا...... بہرحال میں تمہارا احسان مند ہوں...... میرے حصے کی ذمے داری تمہیں اٹھانی پڑی۔‘‘ اس کے لہجے میں احسان مندی کے بجائے غرور کی بو آ رہی تھی...... نہ جانے سچ تھا یا عائلہ کو محسوس ہوا۔

’’آپ کو احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ میں نے کیا وہ احسان نہیں تھا بلکہ میرا فرض تھا......‘‘ اس نے قدرے تیز لہجے میں جواب دیا۔

’’او کے...... جیسا تم سمجھو......‘‘ اس نے پھر کندھے اچکائے۔

پھر سارے راستے دونوں کے درمیان مزید بات چیت نہیں ہوئی...... گھر آ گیا اور وہ خاموشی سے کار سے باہر آ گئی۔

’’شکریہ......‘‘ اس نے رسماً کہا۔

’’نہیں شکریے کی ضرورت نہیں ہے...... میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کی ہے۔‘‘ اس نے کندھے اچکائے اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ عائلہ نے چند سیکنڈ اس کی پشت کو گھورا اور پھر اس کے پیچھے، پیچھے چل دی۔

☆☆☆

مام کا فلو بگڑ گیا تھا...... بے چاری بستر پر جا پڑی تھیں تو اسے اندازہ ہوا کہ مام نے اس کی کتنی ساری ذمے داریوں کا بار اٹھایا ہوا تھا۔

وہ تو بس اسپتال اور جاب تک ہی محدود ہو کے رہ گئی تھی...... گھر کے کاموں کے علاوہ ایان کے اسکول کا پک اینڈ ڈراپ، اس کی پڑھائی، اسے کمپنی دینا خود بخود مام کے حصے میں آ گیا تھا اور وہ خوش دلی سے سب کچھ نبھا رہی تھیں...... اس کے لیے مام بہت بڑا سہارا تھیں انہیں اس حالت میں دیکھ کر ایمان کا حوصلہ جواب دینے لگا۔

’’زندگی میں پہلے ہی مسائل کم تھے کیا......؟‘‘ اسے مام پہ افسوس ہوتا...... لوگ نہ جانے کیوں وفا، خلوص اور عہد کی پاسداری جیسی روایات کو مشرق کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں خواہ مخواہ مشرقی لوگوں کو سارے کریڈٹ دے دیتے ہیں مگر مام کے کیس میں تو سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ مام نے مغربی عورت ہوتے ہوئے اس شخص سے وفا نبھائی جو انہیں بے قصور بیچ منجدھار میں دھوکا دے کر چھوڑ گیا تھا۔ چاہے وہ دل میں اس سے کتنی نفرت کرتیں مگر تنہا کسی روبوٹ کی طرح محنت کرتے ہوئے انہوں نے اس کی اولاد کو اپنے پیروں پر کھڑا تو کر دیا تھا...... کوئی کیا کر لیتا جو مام اسے بچپن میں کسی فلاحی ادارے کے سپرد کر کے اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر لیتیں اسے بالکل اسی طرح بھلا دیتیں جیسے ڈیڈ نے بھلا دیا تھا۔ اس نے مام کا سر سہلاتے ہوئے عقیدت سے ان کے ماتھے پر بوسا دیتے ہوئے سوچا۔ وہ نیند کی دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ مام کا سوچتے، سوچتے اس کی سوچوں کا رخ اپنی طرف مڑ گیا۔

’’اور میں...... جو ساری عمر باپ کی شفقت اور اس سے ملنے والے تحفظ کے احساس کو ترستی رہی...... جس شخص کو سب کچھ سمجھ کے زندگی کا ساتھی چنا وہ بغیر کسی ٹھوس جواز کے بے یار و مددگار چھوڑ گیا...... اکلوتا لاڈلا بیٹا مجھ سے خواہ مخواہ بدظن ہو کے باپ کے پاس جانا چاہتا ہے...... جس خوش خبری کے انتظار میں، میں نے اور سلمان نے...... بے شمار پلاننگز کی تھیں اس کی آہٹ ملتے ہوئے خوشی کے بجائے یہ خیال آئے کہ یہ خوشی واقعی خوشی ہے یا بوجھ...... جس سے جتنی جلدی ہو پیچھا چھڑا لیا جائے...... کیا رہا میرے پاس......؟‘‘ وہ کراہی...... اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر مام کے سنہری بالوں میں جذب ہو گئے...... وہ بے آواز روتی رہی۔

اس کا ڈپریشن روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے کبھی خود پر ترس آتا کبھی سلمان پر غصہ......

’’مام...... آپ تو جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔‘‘ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے مام کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔ فی الوقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی۔

☆☆☆

’’تمہیں عائلہ کو لانے کے لیے سلمان کو نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔‘‘ بریگیڈیر وقاص کو جب بیگم کی کارگزاری کا علم ہوا تو انہوں نے ناراضی سے انہیں دیکھ کر کہا۔

’’کیوں......؟ میں جانتی ہوں، وہ نہ آنے کے لیے بہانے بنا رہی ہے۔‘‘ ارسلہ فوراً بولیں۔

’’میں بھی جانتا ہوں کہ وہ نہ آنے کے بہانے بنا رہی ہے اور تم یقیناً اس کے بہانوں کی وجہ بھی جانتی ہو۔‘‘ انہوں نے خفگی سے کہا۔

’’اگر اس کی وجہ سلمان ہے...... تو میرے حساب سے یہ بالکل بیکار وجہ ہے...... برسوں گزر چکے ہیں اس واقعے کو، میرے خیال میں اسے اب بھول جانا چاہیے۔‘‘ ارسلہ نے جلدی سے کہا۔

’’تمہارے حساب سے، تمہارے خیال میں وغیرہ، وغیرہ...... تم اپنا حساب اور اپنا خیال اپنی حد تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہوگا۔ ہر ایک کا اپنا خیال اور اپنا حساب ہوتا ہے، عائلہ جو کچھ اپنے لیے سوچ رہی ہے وہی درست ہے۔‘‘ وہ مزید برہمی سے بولے۔

’’اچھا...... یہ بات ہے تو یہ اصول تو آپ پر بھی لاگو ہو سکتا ہے بریگیڈیر صاحب......‘‘ وہ طنز سے مسکرائیں۔

’’دیکھو...... عائلہ بہت ہی حساس بچی ہے...... اس نے میرے لیے، میرے بچوں سے بڑھ کر کیا ہے اور وہ مجھے میرے بچوں سے زیادہ عزیز ہے...... مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا ہوں۔ کم از کم اسے پریشان تو نہیں کرنا چاہیے۔‘‘ انہوں نے بیگم کی بات کو گول کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

’’آپ کا کیا خیال ہے میں عائلہ کی دشمن ہوں......؟ بریگیڈیر صاحب...... حقیقت تو یہ ہے کہ عائلہ مجھے بھی بے حد عزیز ہے...... میرے ذہن میں بھی سلمان کے لیے ہمیشہ عائلہ ہی کا خیال رہا...... مگر کچھ چیزوں کا تعلق ہمارے چاہنے یا سوچنے سے نہیں بلکہ قسمت سے ہوتا ہے...... جو گزر گیا اس کا ماتم کرنا بیکار ہے...... آگے کا سوچیں......‘‘ وہ افسردگی سے مسکرائیں۔

’’اب عائلہ کی شادی ہی سارے مسئلوں کا حل ہے...... اس کی شادی ہو جائے تو میں سکون سے مر سکوں گا، ورنہ مجھے موت کے بعد بھی بے سکونی رہے گی۔‘‘ ان

کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

''اس کی شادی کوئی بہت بڑا ایشو نہیں ہے...... اس کے لیے بے شمار رشتے آتے رہتے ہیں۔ وہ خود ہی تیار نہیں ہوتی۔'' انہوں نے حیرانی سے کہا۔

''تو یہی تو ایشو ہے بیگم صاحبہ...... حیرت ہے کہ آپ نہیں سمجھ پا رہی ہیں......'' انہوں نے پژمردگی سے کہا۔

وہ ایک دم چونکیں۔

''السلام علیکم......!'' عائلہ کی آواز ان کی پشت سے ابھری۔

''وعلیکم السلام!'' دونوں ایک ساتھ بولے...... عائلہ چاچو کے قدموں میں جا کے بیٹھ گئی انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیسی ہے میری بیٹی......؟'' عائلہ کے لیے ان کا لہجہ محبت سے بھرپور اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا...... ارسلہ نے مسکراہٹ دبا کے بیٹے کی طرف دیکھا۔

وہ انہی کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اس کی نگاہوں میں شکایت سی تھی۔

''ہونہہ...... یہی چاپلوسیاں تو بابا کو اچھی لگتی ہیں۔'' سلمان نے بے دردی سے سوچا۔

وہ چاچو سے مل کر چاچی کے گلے آ لگی۔

''پھر کیسی رہی......؟'' وہ اس کے کان میں گنگنائیں...... جواباً اس نے انہیں شکایتی نگاہوں سے دیکھا۔

''چلو...... ہر بار ہماری بیماری آزاری میں تم آ کے ہماری خدمت کرتی ہو اس بار میں نے تمہیں، تمہاری خدمت کرنے کے لیے بلوایا ہے۔'' وہ ہنسیں۔

''نہیں، اب طبیعت ٹھیک ہے میری۔'' وہ جلدی سے بولی۔ سلمان کے لیے محبت بھرے یہ نظارے دیکھنا دوبھر ہو گیا...... وہ مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اب یہ صاحب زادے کہاں چل دیے؟'' بریگیڈیر صاحب نے چونک کر بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ مشکل سوالات کا رخ ارسلہ کی طرف کر دیتے تھے۔ ان کا دل چاہا کہیں کہ جہاں آپ وہاں میں...... مجھے کیا معلوم...... مگر چہرے پر خواہ مخواہ کی مسکراہٹ سجا کے بولیں۔

''آ جائے گا...... کسی کام سے گیا ہوگا......'' پھر عائلہ کی طرف مڑ کے بولیں۔

''چلو بھئی اب تم آ گئی ہو، اپنے چاچو سے گپ شپ کرو، میں تمہارے لیے اچھا سا لنچ بنواتی ہوں۔'' آج سارا دن وہ بریگیڈیر صاحب کی توپ کے گولوں سے محفوظ رہنے والی تھیں، یہ خیال ان کے لیے جانفزا تھا...... وہ فوراً اس جگہ سے ہٹ جانا چاہتی تھیں۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' عائلہ اٹھنے لگی۔

''ہرگز نہیں، تم اپنے چاچو کے ساتھ بیٹھی رہو ان کی سنتی اور اپنی سناتی رہو...... ویسے بھی تمہیں آرام کرنا چاہیے۔'' وہ جلدی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

''ہاں، ہاں بالکل انہیں جانے دو...... یہ تو آج یوم نجات منائیں گی ورنہ روز کتنا بھی بھاگیں میرے ہتھے چڑھ ہی جاتی ہیں اور نہ چاہتے ہوئے انہیں مجھے برداشت کرنا پڑتا ہے......'' چاچو نے انہیں کمرے سے نکلتے دیکھ کر زور سے ہانک لگائی۔

''چاچو آپ بھی ناں بس......'' وہ محبت سے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کے بیٹھ گئی۔

''یہاں آؤ اوپر میرے پاس بیٹھو......'' انہوں نے اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جی چاچو......'' وہ اٹھ کر ان کے برابر آ بیٹھی۔

''تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ ایک دم بولے۔

''جی کہیے......'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''عائلہ...... تم اب شادی کر لو......'' وہ اچانک بولے۔ عائلہ چاچو سے کم از کم اس فرمائش کی قطعی توقع نہیں کر رہی تھی...... سو بری طرح گڑبڑا گئی۔

''جی......؟''

''ہاں...... بیٹا تم نے ہمیشہ میرا مان رکھا ہے...... مجھے تم پر فخر ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میری اس بات کو رد نہیں کرو گی......'' انہوں نے آہستہ آہستہ کہا۔

ماما...... بابا، شہلا آپی، نائلہ آپی یہاں تک کہ اس بار کاشف بھی اس سے اشاروں کنایوں میں شادی

کر لینے کا مشورہ دینے آئے تھے...... مگر چاچو...... انہوں نے پہلی بار اس موضوع پر کچھ کہا تھا...... اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔

''وقار بھائی اور بھابی بتاتے رہتے ہیں کہ تمہارے بہت سے اچھے رشتے موجود ہیں...... وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا...... تم بھی اب دیر مت کرو۔'' انہوں نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

وہ بھی اسی طرح خاموش بیٹھی رہی...... اسے عجیب سی شرمندگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

اسے سلمان کے جانے کے بعد بارہا اس کی یاد آئی...... کبھی غصہ آیا تو کبھی رونا...... مگر اسے سلمان کی ضرورت پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ایان کی طرف دیکھا...... وہ روتے روتے سو چکا تھا...... اس کے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

ایان کا غصہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا...... وہ ماں سے برسرپیکار رہنے لگا تھا۔ اس دن بھی اس کی جھڑپ ہوئی تھی اور اس نے ماں سے صاف، صاف کہہ دیا تھا۔

''اگر آپ ڈیڈ کے پاس نہیں جانا چاہتیں تو آپ کی مرضی...... صرف مجھے ان کے پاس بھیج دیں۔'' ایمان کے لیے یہ دوسرا بڑا جھٹکا تھا...... وہ شوہر کے بعد بیٹے کو بھی کھونے کی ہمت اپنے اندر نہیں رکھتی تھی...... اور ایان اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا...... اسے ہر قیمت پر باپ کے پاس ہی جانا تھا۔

''اور اس کا باپ......؟ وہ پاکستان میں اپنے خاندان کے ساتھ مزے میں ہوگا...... اسے اپنے بیٹے کے لیے تڑپ محسوس کیوں نہیں ہو رہی......؟ کیا وہ واقعی اب ہمارے لیے اپنی زندگی کی ساری گنجائشیں ختم کر چکا ہے؟'' ایمان کے ذہن میں ان گنت سوالات تھے۔ اسے اپنی بے وقعتی کا احساس ہونے لگا۔

سلمان کے ساتھ گزرا ہوا وقت...... اس کی کہی ہوئی باتیں اسے یادوں کی شکل میں آ کر تکلیف پہنچانے لگی تھیں...... سلمان کے ساتھ اس نے بہت اچھا وقت گزارہ تھا...... اتنا اچھا کہ وہ اپنی گزشتہ زندگی کے سارے دکھ درد بھول گئی تھی۔ سلمان کو ایان سے محبت تھی لیکن اسے ایک بیٹی کی تمنا بھی تھی...... بلکہ وہ اکثر کہتا تھا کہ اسے کم از کم چار بچے چاہئیں...... ایمان اوپر، اوپر سے آنکھیں دکھاتی لیکن دل ہی دل میں اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ اس کی بہت بڑی فیملی ہو...... وہ محبت اور رشتوں کے تحفظ کو ترسی ہوئی تھی...... اکیلی ماں کا ساتھ اور محبت شاید اس کے اطمینان کے لیے ناکافی تھا...... تنہائی اس کے لیے کسی عفریت سے کم نہ تھی......

ایان کی خودسری، مام کی بیماری گو کہ وہ اسپتال سے گھر آ چکی تھیں مگر پوری طرح ٹھیک نہیں تھیں، سلمان کی سنگ دلی...... وہ کس، کس کو روتی...... ڈپریشن کے علاوہ اور کیا نتیجہ نکلنا تھا؟

☆☆☆

لنچ پر چاچی نے کافی اہتمام کروا دیا تھا۔ سلمان غائب تھا...... اور چاچو ہمیشہ کی طرح اس سے خفا...... چاچی اسے اصرار کر کے کھلا رہی تھیں...... اور وہ ان کی خوشی کی خاطر کھائے جا رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے اچانک چاچو کو کچھ یاد آیا۔

''تمہیں شاہنواز یاد ہے......؟ شاہنواز بخاری...... آئی میں میجر شاہنواز بخاری......'' عائلہ ایک دم چونکی۔

''شاہنواز بخاری...... کرنل نواز بخاری کے بیٹے......؟''

''ہاں، ہاں وہی......'' انہوں نے سر ہلایا۔

''کیا ہوا شاہنواز کو......؟'' ارسلہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہوا تو کچھ نہیں...... بس اس کی پوسٹنگ ہو گئی ہے پنڈی ایم ایچ......'' انہوں نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ......'' عائلہ کو کچھ یاد آیا۔ ''تو جس آئی اسپیشلسٹ میجر ڈاکٹر شاہنواز کی آمد کی خبر گرم ہے وہ یہی موصوف ہیں......'' عائلہ نے اڑتی پڑتی خبروں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی...... اب اسے متوجہ ہونا پڑا۔

''جی چاچو...... سنا ہے میں نے بھی، وہ شاید اگلے ہفتے تک پہنچ جائیں۔''

”بخاری سے بات ہوئی تھی میری اس نے بتایا۔“

”بھائی اور صبیحہ بھابی کیسے ہیں؟“ ارسلہ نے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں سب...... حرمے میں......“ بریگیڈیر وقاص مسکرائے۔

”بڑے دنوں کے بعد آپ لوگوں کی بات چیت ہوئی ہے...... کہاں غائب ہوگئے تھے سب......“ ارسلہ نے فیض کو برتن اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”غائب تو کہیں نہیں ہوئے تھے بس مصروف تھے...... صبا کے پاس کچھ عرصہ کینیڈا رہ کر آئے ہیں...... پھر عمرے کے لیے چلے گئے...... اب میری یاد آئی موصوف کو......“ انہوں نے ڈائننگ چیئر سے اٹھتے ہوئے لاؤنج کا رخ کرتے ہوئے جواب دیا۔ عائلہ ان کے پیچھے پیچھے تھی...... چاچو کی باتیں ماضی کے دروازے کھول رہی تھیں۔ کرنل بخاری، چاچو کے کورس میٹ تھے پھر ملتان کینٹ میں پوسٹنگ کے دوران ان کے نیکسٹ ڈور نیبر بھی...... فورٹ کالونی میں دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ چاچو اور وہ دونوں اس وقت لیفٹیننٹ کرنل تھے اور اپنی، اپنی یونٹس کمانڈ کررہے تھے۔

شاہنواز ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا...... سلمان کا کلاس فیلو...... دونوں اس وقت نائنتھ میں تھے...... صبا، نادیہ کی کلاس فیلو تھی...... صبیحہ آنٹی، چاچی کی بیسٹ فرینڈ...... سو دونوں خاندانوں میں بہت دوستی اور قربت تھی، وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ملتان جارہی تھی تو گھر میں سب نے ڈرایا تھا۔

”بے وقوف ...... ملتان کی گرمی تمہیں روسٹ کردے گی......“ شہلا آپی نے کہا تھا۔

”گرد، گرمی، گدا، گورستان۔“ ملتان کے چار گاف مشہور ہیں......“ نائلہ آپی نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”ہم تو وقاص بھائی سے کہہ رہے ہیں کہ وہ خود ہی پوری فیملی کو لے کر کراچی آجائیں اور تم وہاں جانے کی ضد کررہی ہو......“ امی نے اسے گھرکا...... لیکن اس کی ضد ختم نہیں ہوئی اور اس نے ملتان جا کے دم لیا...... اور وہاں پہنچ کے اس نے اپنے فیصلے کو بارہا سراہا۔

”اگر میں ملتان نہ آتی تو اس جگہ کو بھلا کیسے دیکھ پاتی...... !“ اسے ملتان کینٹ اور صدر سے لے کر پرانا ملتان سب کچھ بے حد پسند آئے تھے۔ اولیائے دین کی سرزمین کی فضا میں ایک عجیب سا سکون تھا جو اس نے اس کم عمری میں بھی محسوس کرلیا تھا۔

وہاں اس نے شاہنواز بخاری کو پہلی دفعہ دیکھا تھا...... ضد، اکھڑپن اور بے نیازی میں وہ سلمان سے کسی طور کم نہیں تھا۔ دونوں لڑکے سرِ شام ہی اپنی، اپنی کرکٹ کٹ اٹھا کے گراؤنڈ کی طرف نکل جاتے...... کبھی جم چلے جاتے، صبا، نادیہ اور وہ اکٹھا اپنی دلچسپیوں کے سامان ڈھونڈا کرتیں...... چاچی اور صبیحہ آنٹی واک کے لیے نکل جاتیں اور چاچو، انکل بخاری کے ہمراہ جم کا رخ کرتے...... اس نے سب سے زیادہ ملتان کینٹ میں اپنے ایک ماہ کے قیام کو انجوائے کیا تھا اور وہ اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔

شاہنواز بخاری سے دوسری ملاقات اس کی آرمی میڈیکل کالج میں ہوئی تھی...... جس سال اس کا وہاں ایڈمیشن ہوا تھا...... شاہنواز پاس آؤٹ ہو کے جارہا تھا...... شاہنواز نے تو اسے قطعی نہیں پہچانا مگر وہ شاہنواز کو پہچان گئی تھی۔ وہ اپنی اکیڈمک لائف میں آؤٹ اسٹینڈنگ پرفارمنس دینے کے بعد ویسے بھی سب کی نگاہوں میں تھا...... پہلے سے بھی زیادہ اکھڑ اور بے نیازی سے بھرا انداز عائلہ کو اس کے قریب جانے سے روکے رہا...... وہ عائلہ کے کالج میں آتے ہی پوسٹنگ پر چلا گیا تھا مگر اس کے نام کی بازگشت کافی عرصے تک گونجتی رہی تھی...... اس نے شاہنواز کے بارے میں ساری یادیں چند لمحوں میں کھنگال لیں۔

”شاندار کیریئر رہا ہے شاہنواز کا...... بڑے اچھے کورسز کیے ہیں اس نے...... سیاچن میں پوسٹنگ تھی اس کی، شاندار کارکردگی دکھا کے آرہا ہے۔ اس سال بورڈ ہے اس کا لیفٹیننٹ کرنل بن جائے گا......“ چاچو نے وثوق سے کہا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ ارسلہ نے سر ہلایا۔

”اگر سلمان نے بھی آرمی جوائن کی ہوتی تو......!“ چاچو کہتے، کہتے رک گئے۔

”چھوڑیں بھی اب...... آپ ہر بار......“ ارسلہ بے بسی سے بولیں۔

”صبا کینیڈا میں ہوتی ہے......؟“ عائلہ نے ماحول بوجھل ہوتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

”ہاں...... اس کی شادی وہیں ہوئی ہے...... بخاری کے بھتیجے سے...... دو بچے ہیں اس کے بھی......“ انہوں نے بتایا۔

”اور شاہنواز...... اس کے بیوی بچے......؟“ چاچی کو کچھ یاد آیا۔

”شاہنواز نے ابھی تک شادی نہیں کی...... میجر بننے کے بعد اسے سانس لینے کی فرصت ہی نہیں ملی...... کورسز، ہارڈ ایریاز، اسائنمنٹ وغیرہ...... سب نے مل کر اسے کنوارا رہنے پر مجبور کردیا......“ انہوں نے قہقہہ لگایا۔

”کرنل بخاری......“ ارسلہ کچھ کہنے لگیں۔

”کرنل نہیں بھئی بریگیڈیر بخاری...... وہ بھی میری طرح اسی رینک پر ریٹائر ہوئے تھے...... کیا بھول گئیں آپ......؟“ وہ جلدی سے بولے۔

”یاد ہے...... بس زبان پر کرنل چڑھ گیا ہے۔“ وہ جھینپ کے بولیں۔

”میرے لیے بھی ان کی زبان پر کیپٹن چڑھ گیا تھا...... جب تک کرنل نہیں بن گیا کیپٹن ہی کہتی رہیں۔“ وہ ہنسے اور عائلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”توبہ ہے آپ سے بھی...... میں چائے کا کہہ کے آتی ہوں......“ ارسلہ نے وہاں سے اٹھ جانے میں عافیت سمجھی...... ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

عائلہ کو ہنسی آگئی...... چاچو کا ہلکا پھلکا موڈ اسے بھی مطمئن کرگیا تھا۔

☆☆☆

عائلہ کی موجودگی میں اسے گھر پہ رکے رہنا بہتر معلوم نہیں ہوا...... بابا کا کیا بھروسا وہ اس کے سامنے ہی کلاس لینے سے باز نہ آئیں...... کم از کم عائلہ کے سامنے اسے اپنی ہتک منظور نہیں تھی۔

اسے عائلہ وقار سے بچپن ہی سے پرخاش تھی...... عائلہ اس کے بابا کی جتنی توجہ کھینچتی، بابا کی نگاہوں میں سلمان کا گراف اسی قدر نیچے آجاتا۔ نہ جانے سچ تھا یا اس کا وہم...... اور رہی سہی کسر عائلہ نے آرمی میں جا کے پوری کردی تھی۔

”بابا کی لاڈلی۔“ اس نے چڑ کر سوچا۔ ”بلکہ چمچی......“ اس نے اپنی سوچ کی تصحیح کی۔

اس کا رخ زید کے اسپتال کی طرف تھا۔ زید بھی اس کا بچپن کا دوست تھا۔ اس کے والد بھی آرمی آفیسر تھے...... اتفاقاً تین جگہوں پر ان کی پوسٹنگ بریگیڈیر وقاص کے ساتھ ایک ہی اسٹیشن پر رہی...... دو، دو سال کی پوسٹنگ اکھٹے گزارنے سے ان کی اور بچوں کی دوستی تو پکی ہونی ہی تھی...... جب سے وہ اسلام آباد واپس آیا تھا زید اور دانیال کے پاس ہی اس کا زیادہ وقت گزرتا تھا۔ زید کافی سیٹلڈ زندگی گزار رہا تھا...... اس کی بیوی بھی ڈاکٹر تھی، بہن اور بہنوئی بھی ڈاکٹر سو پورے خاندان نے مل کر اپنا ایک چھوٹا سا اسپتال قائم کیا تھا جو اپنی اچھی سروس اور ماحول کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد جیت چکا تھا۔

زید نے اسے بھی کنسلٹنسی کی آفر کی تھی...... سلمان نے اپنی کوالیفکیشن اور تجربے کی بنیاد پہ یقیناً اس سے کہیں بہتر کی امید رکھی ہوئی تھی مگر کسی اور جگہ بات نہ بن پانے کی وجہ سے وہ اب اس آفر کو قبول کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔ اسپتال پہنچنے پر پتا چلا کہ ڈاکٹر زید راؤنڈ پر ہیں...... وہ اس کے کمرے ہی میں بیٹھ گیا...... زید کا اسسٹنٹ ڈاکٹر فہد کمرے میں داخل ہوا۔

”اوہ...... سر آپ...... السلام علیکم......“ وہ اسے دیکھ کر چونکا۔

”وعلیکم السلام...... کیا حال چال ہیں ینگ مین......؟“ وہ مسکرایا۔

”بالکل ٹھیک...... آپ سنائیں۔“ وہ اخلاقیات نبھانے اس کے سامنے آبیٹھا۔

”میں بھی بالکل ٹھیک ہوں...... تم اگر بزی ہو تو اپنا کام جاری رکھو......“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ڈیوٹی ٹائم میں بزی تو رہنا ہی پڑتا ہے...... سر زید بھی بس آتے ہی ہوں گے۔“ وہ مسکرایا۔ جبھی ڈاکٹر زید مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

”سر اس سے پہلے کہ میں آپ دونوں دوستوں کی

محفل میں مخل ہوں...... پلیز یہ واؤچرز سائن کردیں اور مجھے اجازت دیں۔" فہد نے جلدی سے زید کے سامنے فائلز رکھتے ہوئے کہا۔

زید نے سائن کر کے فائل فہد کے حوالے کی اور وہ اجازت لیتے ہوئے باہر چلا گیا۔

"لیب کے بلز تھے۔" ڈاکٹر زید نے اسے مطلع کیا۔

"کیا مطلب...... کیا تمہارے اسپتال میں لیب کی بھی سہولت ہے؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"نہیں یار...... اسپتال میں تو صرف کلیکشن پوائنٹ ہے...... سیمپلز یہاں سے کلیکٹ کر کے لیب بھیج دیے جاتے ہیں اور وہاں سے رپورٹ تیار ہو کے آجاتی ہے۔" اس نے بتایا۔

"اور ہر رپورٹ... پہ تمہیں کتنے پرسنٹ مل جاتا ہے؟" سلمان نے چبھتا ہوا سوال پوچھا۔ جواب میں زید نے زوردار قہقہہ لگایا...... پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"مریضوں کے ٹیسٹ تو کروانے ہی پڑتے ہیں، اس میں عجیب کیا بات ہے...... اور تمہیں اعتراض کس بات پر ہے...... ٹیسٹ پر یا کمیشن پر؟"

"اعتراض کرنے والا میں کون ہوں...... مگر مریضوں کے بے شمار غیر ضروری ٹیسٹس کے میں حق میں نہیں ہوں اور آج کل یہی ہو رہا ہے......" اس نے کندھے اچکائے۔

"پورا ملک ہی کمیشنز پہ چل رہا ہے، مختلف قسم کے مافیاز کے ہاتھوں کھیل کھیلا جارہا ہے۔" اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

"ہاں مگر نہ جانے کیوں میڈیکل پروفیشن کے ساتھ جو ایک تقدس کا احساس وابستہ ہے وہ اس قسم کی باتوں سے مجروح ہو جاتا ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"دیکھو سلمان، اب جب تم پاکستان آہی گئے ہو اور یہاں کے سیٹ اپ میں شامل ہونے کے بارے میں سنجیدہ بھی ہو تو تمہیں اس قسم کی بے شمار کڑوی گولیوں کو نگلنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے...... اسپتال اور ڈاکٹر پہ بھی بہت سارے پریشرز ہوتے ہیں...... انہیں اس معاشرے میں سروائیو کرنے کے لیے بہت کچھ ایسا بھی کرنا پڑتا ہے جو خود انہیں بھی ناگوار گزرتا ہے۔" زید نے صاف، صاف بات کی۔

"میں جانتا ہوں...... لیبز اور فارماسیوٹیکل کمپنیز کا ایک ڈاکٹر سے کیا رشتہ ہے...... اور ڈاکٹر کہیں مجبور ہوتا ہے تو وہ کہیں دباؤ میں آجاتا ہے اور کبھی، کبھی لالچ کا شکار بھی ہو جاتا ہے مریض کے غیر ضروری ٹیسٹ کروانے اور اسے غیر ضروری ادویات استعمال کروانے والے ڈاکٹرز کا ضمیر بالآخر سو جاتا ہے اور اسے سب کچھ نارمل لگنے لگتا ہے۔" سلمان نے تلخ انداز میں کہا۔

"تم ابھی یہاں کے لوگوں کی نفسیات سے واقف ہی نہیں ہوئے ہو......" زید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب......؟" سلمان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب میں نے پریکٹس شروع کی تھی، میں تمہیں، اس دور کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔" ڈاکٹر زید نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس درمیانی عمر کی ایک خاتون آئیں...... انہیں ایک معمولی سا عارضہ تھا۔ میں نے مرض کی تشخیص کی، احتیاطاً ایک ٹیسٹ بھی کروالیا...... رپورٹ کلیئر تھی سو میں نے انہیں ایک دو ضروری دوائیں دے کر فارغ کردیا...... مجھے یقین تھا کہ اس سے جلد ٹھیک ہو جائیں گی...... غیر ضروری ٹیسٹ کروائے نہ نسخے پر دواؤں کی لمبی قطاریں تحریر کیں...... یہ میری ایمانداری تھی مگر ہوا کیا...... وہ خاتون مطمئن ہی نہیں ہوئیں...... میں جہاں کام کرتا تھا وہ اسی اسپتال میں مجھ سے سینئر ایک بڑے نام والے ڈاکٹر کے پاس تشریف لے گئیں انہوں نے ان کی ای سی جی، الٹراساؤنڈ، ایکسرے اور ڈھیروں بلڈ ٹیسٹ کروائے...... نکلنا تو کچھ تھا ہی نہیں، ہوتا تو نکلتا، خیر...... اس کے بعد انہیں مہنگی، مہنگی آٹھ دس دوائیں تجویز کردیں اور وہ نسخہ لے کر خوشی، خوشی چلی گئیں...... ایسے لوگوں کے بارے میں بھلا تم کیا کہو گے......؟" اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"یقیناً ایسی سوچ کے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن تم سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانک سکتے۔" سلمان نے

زور دے کر کہا۔

"میرے بھائی تم مانو یا نہ مانو یہ حقیقت ہے...... یہ جو تمہیں اسپتال ہر روز بے شمار لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں...... سرکاری اسپتال میں تو وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں مفت کا علاج دستیاب ہے وہ بھی اگر ہو جائے تو......" وہ کہتے، کہتے رکا...... پھر بولا۔ "مگر پرائیویٹ اسپتال میں حقیقتاً بیمار کم اور بیماری کے خوف میں مبتلا لوگ زیادہ آتے ہیں...... وہ لوگ بڑے، بڑے ناموں والے ڈاکٹرز کے پاس...... جا کے اپنا چیک اپ کروانے پر اطمینان محسوس کرتے ہیں باریک، باریک ٹیسٹ کروانا فخر سمجھتے ہیں اور آج کل تو ویسے بھی معلومات بہت ہو گئی ہیں لوگوں کو...... ڈاکٹرز کے پاس بیٹھ کر برابر سے معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے بہر حال ڈاکٹرز کی تجویز کردہ دوائیں کھا کے وقتی طور پر وہ مطمئن ہو جاتے ہیں...... مگر اس کے بعد پھر سے انہیں یہ خیال ستانا شروع کردیتا ہے کہ نہ جانے اب تک ان کے خون میں مزید کون، کون سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوں گی۔ کہیں کوئی خرابی تو واقع نہیں ہو گئی اور یہ سوچ کر وہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب خواہ مخواہ کے ٹیسٹ اپنا اثر دکھانا شروع کردیتے ہیں اور واقعی انہیں علاج کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔" زید نے تفصیلاً بتایا۔

"چلو یہ تو ان پیسے والوں کی کہانی سنا رہے ہو جن کے پاس دولت بہت زیادہ ہے اور خرچ کرنے کا انہیں کوئی بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔" سلمان نے اس کی بات پر پورا یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

"بات پیسے کی نہیں ہے سلمان...... نفسیات کی ہے...... ہم لوگ اندیشوں، خوف اور واہموں میں مبتلا قوم بنتے چلے جارہے ہیں اور اپنی انہی کمزوریوں کی وجہ سے جگہ، جگہ خوار ہو رہے ہیں۔" زید نے افسوس سے کہا۔

"بہر حال میں اپنے کسی بھی مریض کا کوئی غیر ضروری ٹیسٹ نہیں کرواؤں گا یہ تمہیں ابھی سے بتا رہا ہوں بعد میں مجھ پر کوئی دباؤ مت ڈالنا......" سلمان نے وارننگ دی۔

"ڈاکٹر سلمان...... یو آر ویلکم...... آپ ضرور اپنے طریقے سے کام کر کے دیکھ لیں...... میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں......" زید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو...... میں پرسوں سے جوائن کرلوں گا......" سلمان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی...... لیکن اس کا ذہن پھر بھی الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

چاچو کا گھر اس کے لیے اجنبی نہیں تھا...... وہ بچپن سے ہی ان کے پاس بے تکلفی سے رہنے کی عادی تھی...... کتنے اسٹیشنز اور کتنے گھر اس نے چاچو کے حوالے سے ہمیشہ اپنے ہی سمجھے تھے...... اور یہ تو ویسے بھی ان کا ذاتی گھر تھا...... لیکن اس گھر پر اسے کبھی پہلے جیسا استحقاق محسوس نہیں ہوا...... "اس سے تو اچھے وہ سرکاری گھر تھے جہاں اجنبیت کا احساس نہیں تھا...... اب کیا ہو گیا ہے......؟ سارا فرق شاید سوچ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ گھر ایمان کا ہے...... چاہے وہ یہاں نہ رہتی ہو تب بھی...... اور میں خود اس گھر میں رہتے ہوئے بھی ہمیشہ اجنبی رہوں گی......" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے سوچا۔

رات ہو چکی تھی...... وہ گیسٹ روم میں سونے کے لیے آچکی تھی...... دن بہت اچھا اور ہلکا پھلکا گزرا تھا...... شاید اس کی وجہ یہ بھی رہی ہو کہ سلمان رات میں دیر سے گھر واپس آیا تھا...... اس وقت جب کھانا ختم ہو رہا تھا...... اور وہ باہر سے کھا کے آیا تھا اور سیدھا اوپر ہی چلا گیا...... شاید اس کے معمولات کی تبدیلی عائلہ کی وجہ سے تھی۔

"میں نے ان کا آخر بگاڑا کیا ہے......؟" عائلہ نے سوچا۔ بچپن اور نو عمری میں وہ اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھتا تھا...... اس نے اس کو شریکِ حیات بنانے کے قابل بھی نہیں سمجھا...... ٹھیک مگر اب کیا ہے......؟" اب اس طرح اگنور کرنا اسے اپنی ہتک محسوس ہو رہا تھا۔

"امی کو پتا چلے گا کہ میں نے ویک اینڈ یہاں گزارا ہے تو وہ بہت خفا ہوں گی...... ہفتے کی دونوں چھٹیاں بستر میں گزار لیتی تو زیادہ اچھا ہوتا......" مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ تو یہاں آگئی تھی اور کل کا دن بھی گزارنے والی تھی۔

"چاچو تو خوش ہوئے ہیں ناں...... اور چاچی بھی......" اس نے اپنے دل کو تسلی دی۔

سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اگلی صبح زیادہ خوشگوار نہیں تھی...... چاچو کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''میں نے تم سے پرامس کیا تھا ناں کہ ہم جلد ہی پاکستان جائیں گے......'' ایمان نے ایان کے گھنگرالے بالوں کو پیار سے چھو کے کہا۔ اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔ پچھلے پورے ہفتے سے اس نے ماں کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

اسے پھر سے سلمان کی یاد کا جنون چڑھا ہوا تھا اور وہ بات بے بات ایمان سے جھگڑ رہا تھا۔

''آپ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہیں، آپ مجھے کبھی پاکستان لے کر نہیں جائیں گی، آپ سمجھتی ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ میں ڈیڈ کو بھول جاؤں گا۔'' اس نے غصے سے ماں کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' اس نے بہ مشکل برداشت کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھے اپنے روٹین میں ہی مصروف نظر آ رہی ہیں...... اسپتال کی ڈیوٹی، گرینڈ ما کے ساتھ شاپنگ اور اپنی فرینڈز کے ساتھ وقت گزارنے کے علاوہ اور کیا کر رہی ہیں؟'' وہ پھر غصے سے بولا۔

''بے وقوف لڑکے کسی دوسرے ملک جانے کے لیے پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت پڑتی ہے...... اور بھی بہت ساری فارمیلٹیز ہوتی ہیں...... پہلے سارے...... ڈاکومنٹس تیار ہو جائیں اس کے بعد پیکنگ کا نمبر آتا ہے ناں...... پھر مجھے اسپتال سے اور تمہیں اسکول سے چھٹی بھی تو لینی ہو گی اس لیے تھوڑا صبر کرو میں نے ویزے کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔'' اس نے اسے سمجھایا۔

''واقعی......؟'' اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نظر آئی۔

''ہوں......'' وہ مسکرائی۔

''اچھا تو میری ڈیڈ سے بات کروا دیں...... میں انہیں اپنے آنے کا بتانا چاہتا ہوں۔'' اس نے دوسری فرمائش کی۔

''میری خواہش ہے ایان کہ تم بڑے ہو کر وکیل بنو......'' ایمان نے اپنا سر پکڑتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''نہیں...... مجھے تو ڈیڈ کی طرح سرجن بننا ہے۔'' وہ بدک کر بولا۔

سرجن تو وہ خود بھی تھی لیکن ایان صرف اور صرف اپنے باپ کو آئیڈیلائز کرتا تھا۔ اس نے آپ دونوں کی طرح کہنے کے بجائے صرف ڈیڈ کا نام لیا۔

''ٹھیک ہے، تم اپنے ڈیڈ کی طرح سرجن ضرور بننا...... مگر ان کے جیسے انسان مت بننا۔'' اس نے جملے کا دوسرا حصہ زیرِ لب کہا۔

وہ اپنے باپ کی شخصیت کا پرتو تھا...... سارے آثار یہی تھے کہ وہ دوسرا سلمان بننے والا ہے۔ کچھ کچھ مغرور...... ضدی اور تھوڑا تھوڑا خود غرض...... اپنی چلانے اور منوانے والا بھی...... اس نے بیٹے کی شکل دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تو آپ میری بات کب کروا رہی ہیں......؟'' وہ اپنی بات پہ ڈٹا ہوا تھا۔

''دیکھو اگر ہم اپنی روانگی سرپرائز رکھیں گے تو تمہارے ڈیڈ کو، دادا اور دادی کو زیادہ خوشی ہو گی...... پہلے سے بتا دیا تو سارا سسپنس ہی ختم ہو جائے گا۔'' اسے بروقت بات سوجھی۔

وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھا ایمان کو گھورتا رہا جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو...... پھر ایک دم اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایمان نے تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھا...... اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کھڑکی سے پردہ سرکا کے باہر کی طرف دیکھا۔ برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کے اپارٹمنٹ کے اطراف کا سارا حصہ برف سے ڈھک چکا تھا۔

لندن کا موسم بادلوں کے بغیر نامکمل ہے۔ کبھی یہ بارش تو کبھی برف برساتے نظر آتے ہیں جو کچھ بھی نہ کریں تو ہر وقت سر پر تو ضرور موجود رہتے ہیں...... سردیوں کی صبحیں دھند تو شامیں افسردگی لے کر نمودار ہوتی ہیں...... ایمان کو بچپن سے ہی اس موسم سے عجیب سی وحشت محسوس ہوتی تھی...... برف باری شروع ہوتی اور ایمان ایک سمجھ میں نہ آنے والے خوف کے حصار میں چلی جاتی...... مام اسے آتش دان کے قریب بٹھاتیں...... گرما گرم چاکلیٹ والا دودھ پینے کو دیتیں اور اسنو وائٹ اور سنڈریلا کی کہانیاں بھی سناتیں اس کا دھیان ضرور بٹ جاتا مگر خوف اپنی جگہ رہتا......

وہ کافی بڑی ہو گئی تھی مگر مام کے ساتھ سوتی تھی...... اسے اکیلے سونے سے ڈر لگتا تھا۔ بڑے ہو کے اس نے یہ جانا کہ وہ اس وقت عدم تحفظ کا شکار تھی۔

وہ دوبارہ صوفے پر آ کے بیٹھ گئی...... باہر کی برف بتا رہی تھی کہ ٹمپریچر صفر سے نیچے جا چکا تھا...... لیکن اس کا گھر گرم تھا...... آتش دان تو اب پرانی چیز بن چکا تھا...... اب تو گھر اور اپارٹمنٹ سینٹرلی ائر کنڈیشنڈ ہونے لگے تھے جن سے باہر کی سردی یا گرمی کا اندر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے...... اسے اپنے بچپن والے گھر کا آتش دان یاد آیا...... جہاں مام اور ڈیڈ بیٹھ کر اپنے ہاتھ تاپا کرتے تھے...... ڈیڈ اسے گود میں بٹھا لیتے اور وہ بھی اپنے ننھے منے ہاتھوں کو آگے بڑھاتی...... ڈیڈ اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیتے اور اس کے ہاتھ دو منٹ میں گرم ہو جاتے پھر وہ چلے گئے...... اور ایمان کے ہاتھوں کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر گئے۔ ان کے جانے کے بعد اکیلی مام اسے اس خوف سے کبھی باہر نکال نہیں پائیں...... یہ کام سلمان نے کیا تھا...... سلمان کے مضبوط ہاتھوں کو تھامنے کے بعد اس کا بچپن کا خوف آہستہ آہستہ مٹنے لگا تھا...... مگر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے طویل مسافت کے بعد وہ وہیں آ کے کھڑی ہو گئی تھی جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا۔

''کاش ایک بار...... صرف ایک بار تم مڑ کے دیکھ لو سلمان...... میں ہارنے لگی ہوں۔'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

☆☆☆

وہ فجر کی نماز پڑھ کر لیٹی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی...... ایک تو اتنی صبح کا وقت...... دوسرے دستک کا انداز...... اس نے گھبرا کر دروازہ کھولا...... سامنے سلمان تھا۔

''کیا ہوا......؟'' اس نے پریشان ہو کے پوچھا۔

''نیچے آ جاؤ...... بابا کی طبیعت خراب ہو رہی ہے...... اسپتال لے جانا ہو گا......'' وہ کہہ کر فوراً مڑ گیا۔

''اللہ خیر......'' اس کے دل سے صدا نکلی۔

اس نے بالکل وقت ضائع نہیں کیا...... اپنا موبائل اٹھایا اور جس حلیے میں تھی اسی طرح سلمان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ نیچے چاچی کی حالت غیر تھی...... ان کی آنکھیں رو رو کے سوجی ہوئی تھیں...... چاچو نیم غنودگی کے عالم میں تھے۔

''کیا ہوا......؟'' اس نے چاچو کی نبض تھامتے ہوئے چاچی کی طرف دیکھا۔

''صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو تھوڑے سست تھے...... کہنے لگے کہ درد ہو رہا ہے اور کمزوری محسوس کر رہا ہوں...... اس کے تھوڑی دیر بعد گر گئے...... میں سلمان کو بلانے کے لیے دوڑی...... سلمان آ گیا اس نے انہیں دیکھا ایمبولینس کے لیے فون کیا...... نہ جانے اب کیا ہو گا......'' وہ ہاتھ مل کے دوبارہ رونے لگیں...... چاچو کی نبض بہت آہستہ چل رہی تھی...... اس نے ان کا ہاتھ آہستہ سے بیڈ پر رکھ دیا اور چاچی کو گلے لگا کے تھپکنے لگی...... خود اس کا اپنا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

''ایمبولینس آ گئی ہے۔'' سلمان نے آ کے بتایا۔

انہیں اسٹریچر کی مدد سے ایمبولینس میں منتقل کیا گیا...... سلمان ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا...... اس نے بھی ساتھ جانے کی کوشش کی تو سلمان نے اسے روک دیا۔

''نہیں...... تم امی کے ساتھ رکو...... میں اسپتال پہنچ کے کال کروں گا۔'' سلمان کا لہجہ حتمی تھا...... اس وقت اس کی نظر میں وہ صرف عائلہ تھی...... ڈاکٹر عائلہ نہیں...... اسے سلمان کا انداز بہت برا لگا...... لیکن چاچی کو سنبھالنا بھی ضروری تھا...... اس نے انہیں پانی پلایا اور تسلی دینے لگی۔

''پریشان مت ہوں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''عائلہ مجھے ابھی اسپتال جانا ہے...... تم مجھے وہاں لے چلو......'' انہوں نے بے بسی سے کہا۔

''ہم دونوں چلیں گے......'' اس نے انہیں لپٹاتے

ہوئے کہا۔

ایک، ایک لمحہ صدی بن کے گزر رہا تھا......سلمان نے کال نہیں کی......دو گھنٹے گزر گئے تھے۔

"عائلہ چلو...... میں اب اور نہیں رک سکتی......" انہوں نے بے چین ہو کے کہا۔

"چاچی انہیں کال ملائیں...... پہلے بات کر لیتے ہیں۔" چاچی نے اپنا موبائل اِدھر اُدھر دیکھا......ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"عائلہ تم کال کر لو...... میرے اندر ہمت نہیں ہے۔" وہ رک رک کے بولیں۔

عائلہ نے ان کے موبائل پر سلمان کا نمبر ڈھونڈا اور جلدی سے کال ملائی۔

"ہیلو......" دوسری ہی بیل پر سلمان نے کال ریسیو کی۔

"چاچو کیسے ہیں؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا......ڈاکٹرز کوشش کر رہے ہیں، دعا کرو......" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اٹیک ہوا ہے......؟" اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

"بہت ہلکا سا...... شکر ہے زیادہ نقصان نہیں ہوا ہے...... لیکن ہارٹ ریٹ، پلس اور بی پی بہت لو ہے...... یہ مسئلہ ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"ہم لوگ آ جائیں......؟" اس نے پوچھا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کہے ہم آ رہے ہیں مگر تھوڑا لحاظ آڑے آ گیا۔

"امی کو مت لاؤ......انہیں تسلی دے دو کہ بابا اب بہتر ہیں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"نہیں......میرا خیال ہے انہیں میں ساتھ لے آتی ہوں......وہ اکیلے پریشان ہوں گی......اور اب بھی بہت پریشان ہیں......رکیں گی نہیں۔" عائلہ نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا......سلمان کا جواب سننے کی کوشش نہیں کی۔

"چلیں چاچی......" اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔

"کیسے ہیں وہ......؟" وہ جلدی سے بولیں۔

"بہتر ہیں......" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

چاچی اس کے پیچھے لپکیں۔

اسپتال تک کے راستے میں دونوں کے دل زور، زور سے دھڑک رہے تھے......اور وہاں پہنچ کر عائلہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب دھڑکن رک جائے گی......

ایمرجنسی کے باہر سلمان کھڑا مل گیا۔

چاچی بے تابی سے بیٹے کے گلے لگ کے رونے لگیں......وہ آہستہ آہستہ ماں کو تھپکیاں دیتا رہا۔

"امی خود کو سنبھالیں...... ابھی ڈاکٹر زعیم سے میری تفصیل سے بات ہوئی ہے...... بابا کا ہارٹ ریٹ بہتر ہو رہا ہے...... اچھی امید رکھیں اور دعا کریں......" اس نے انہیں سمجھایا۔

"تم تو خود ہارٹ اسپیشلسٹ ہو...... تم باہر کیوں کھڑے ہو......جاؤ ناں اپنے بابا کے پاس......" وہ روتے ہوئے بولیں۔

"امی......یہ میرا اسپتال نہیں ہے......اب بابا ان کی ذمے داری ہیں...... میں از خود اندر نہیں جا سکتا...... مگر آپ فکر مت کریں میں ہر لمحہ ان کے ڈاکٹر کے ساتھ رابطے میں ہوں۔" اس نے ماں کو بٹھایا۔

"تم امی کے پاس ٹھہرو......" وہ اس کی طرف مڑا۔

"تم کہاں جا رہے ہو......؟" وہ تڑپ کے بولیں۔

"میں ایک چکر لگا کے آتا ہوں...... فکر مت کریں......انشاء اللہ اچھی خبر لاؤں گا۔" وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ چاچی کے سرد ہوتے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کے ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"میرا دل کہتا ہے چاچو ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ پُریقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"انشاء اللہ......" چاچی کی بجھی بجھی آواز ابھری۔

"میں بابا کو فون کر دوں......" اس نے اپنا موبائل آن کیا۔

بابا کو اطلاع دینا بھی ضروری تھا...... دونوں بھائیوں کا ایک دوسرے کے سوا اور تھا بھی کون......! چاچی نے فوری طور پر نادیہ کو بتانے سے منع کر دیا تھا۔ بابا

کو اطلاع دی تو وہ وہ حسبِ توقع بے حد پریشان ہو گئے۔

"میں پہلی فلائٹ سے پہنچ رہا ہوں۔" انہوں نے فوراً کہا۔

بابا کے آنے کی اطلاع چاچی کو دیتے ہوئے وہ خود بھی دل ہی دل میں اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

"وہ بھی وہیں ہے۔" سعدیہ نے شوہر کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... ظاہر ہے۔" انہوں نے بھویں اچکائیں۔

"اب تو سلمان موجود ہے اپنے والدین کے پاس......پھر......؟" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"وقاص کی حالت بہت کریٹیکل ہے...... یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم بیکار کی باتوں میں الجھیں۔" انہوں نے بیوی کی بات کاٹتے ہوئے خفگی سے کہا۔

"اللہ پاک وقاص بھائی کو صحت دے...... اور عائلہ کو عقل......" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئیں۔

"میرا بیگ تیار کر دو......میری آج شام چار بجے والی فلائٹ کنفرم ہو گئی ہے۔" وقار نے کہا۔

"کتنے دنوں کے لیے جائیں گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"فی الحال تو چند دنوں کا پروگرام ہے...... باقی جیسی صورتِ حال ہو گی اس کے حساب سے اپنا پروگرام بنا لوں گا......بس اللہ خیر رکھے......وقاص مجھ سے عمر میں چار برس چھوٹا ہے......وہ بے چارہ اتنے برسوں سے اتنی سخت بیماری جھیل رہا ہے اور مجھے دیکھو......" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"توبہ ہے بھئی...... خود اپنی صحت کو کیوں ٹوک رہے ہیں...... اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے۔" سعدیہ برا مان کے بولیں۔

"ایک بج رہا ہے، تین بجے تک ائر پورٹ پہنچنا ہے، میں تیاری شروع کرتا ہوں، تم میرا سامان رکھنا شروع کرو۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے، آپ وہاں ہوں گے تو مجھے عائلہ کی طرف سے بھی پریشانی نہیں ہو گی۔" سعدیہ زیرِ لب بولیں اور پھر اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

رات دس بجے بریگیڈیر وقاص کو ہوش آ گیا...... ڈاکٹرز کے مطابق اب ان کی حالت خطرے سے باہر تھی......ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ یہ ایک معجزہ ہی تھا......سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہونے لگیں۔

انہیں سی سی یو شفٹ کر دیا گیا تھا اور باری باری سب کو ان سے صرف چند منٹوں کی ملاقات کی اجازت بھی دے دی گئی تھی......مگر بات کرنے کی نہیں۔

"بڑے ابا یہ سب آپ کی آمد کے طفیل ہوا ہے...... بھائی کے لہو نے بھائی کو قریب پا کے جوش مارا......اور ہارٹ ریٹ، پلس، بلڈ پریشر سب کچھ نارمل ہو گیا۔" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا...... اس کے چہرے پر سترہ گھنٹوں کی شدید ٹینشن کے بعد پہلی مرتبہ سکون نظر آیا۔

"نہیں، بیٹا...... یہ تو بس اللہ پاک کا کرم ہے...... میں سارے راستے بہت تکلیف میں رہا...... بہت بے بسی محسوس کرتا ہوا آیا......مگر یہاں پہنچ کے جیسے دعائیں قبول ہو گئیں۔ میرے بھائی نے مجھے دیکھ کر آنکھیں کھولیں اور سلام بھی کیا......" وقار صاحب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

"بس اب آپ سب لوگ گھر جائیں...... میں بابا کے پاس رکوں گا۔" سلمان نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں، میں یہیں رکوں گی......" ارسلہ جلدی سے بولیں۔

"امی یہ سی سی یو ہے...... یہاں پر کسی بھی اٹینڈنٹ کو ساتھ رکنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ نہ ہی وزیٹرز ہر وقت جمع ہو سکتے ہیں...... آپ لوگ جائیں آرام کریں......صبح پھر آ جایئے گا۔" اس نے سمجھایا۔

"جب اجازت نہیں ہے تو تم کیسے رکو گے؟" انہوں نے جرح کی۔

"میں بھی باہر ہی بیٹھا رہوں گا......کبھی کبھار اندر کا چکر لگا لوں گا اور بس......"

"عائلہ تم لے جاؤ سب کو۔" وہ ماں سے کہتا ہوا

عائلہ کی طرف گھوما۔ اس نے سر ہلایا۔

واپسی کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی سب کو واپس جانا تھا...... لیکن بریگیڈیر وقاص کی سنبھلتی ہوئی حالت پہ سب کو اطمینان ضرور تھا۔

☆☆☆

”سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ہمیں ڈرا دیا تھا......“ ارسلہ نے ویجی ٹیبل سوپ کا پیالہ ان کے سرہانے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسپتال میں پانچ دن گزارنے کے بعد گھر واپس آ گئے تھے...... ان کی حالت تسلی بخش تھی۔

”اللہ نے بہت کرم کیا...... اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے......“ وقار نے بھائی کو سہارے سے بٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں نے سب کو بہت پریشان کیا......“ انہوں نے سوپ پیتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں چاچو، پریشانی آپ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی بیماری کی وجہ سے تھی۔“ عائلہ مسکرائی۔

”تم گھر آ گئے ہو، میں بھی اب واپسی کا سوچ رہا ہوں۔“ وقار نے کہا۔

”ابھی تو میں آیا ہوں، میرے آتے ہی آپ واپسی کا کیوں سوچ رہے ہیں...... کچھ دن تو رکیں......“ بریگیڈیر وقاص جلدی سے بولے۔

”بابا، چاچو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں...... چاچی نے نادیہ کو بھی حالات تھوڑے نارمل ہونے کے بعد بتا دیا ہے...... وہ بھی پہنچنے والی ہے...... پھر ہم سب چاچو کی صحت یابی کا جشن منائیں گے، آپ چلے گئے تو بھلا کیا مزہ آئے گا۔“ عائلہ نے جلدی سے باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بالکل بھائی جان...... میں نے تو اس پریشانی میں آپ کی کوئی خاطر مدارات بھی نہیں کی...... اب اس کا موقع تو دیں......“ ارسلہ جلدی سے بولیں۔

”اچھا بھئی اچھا...... لیکن صرف دو دن اور...... اس کے بعد نہیں، سعدیہ گھر پر اکیلی ہیں۔“ وہ جلدی سے بولے۔

”ٹھیک کہتے ہیں آپ بھائی جان، بھابی واقعی اکیلی ہوں گی...... ظاہر ہے بیٹیاں بے چاریاں تو اپنے گھر کی ذمے داریوں میں مصروف ہو جاتی ہیں...... گھر کا بیٹا اگر چلا جائے تو ساری رونقیں ساتھ لے جاتا ہے...... ماں، باپ کو اکیلا کر جاتا ہے۔“ بریگیڈیر وقاص ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

”مجبوری ہو یا مصلحت، بہت ساری باتیں برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں...... کاشف کو شارجہ میں اتنی اچھی جاب مل گئی ہے کہ اس کے بہتر مستقبل کے لیے ہمیں اس کی جدائی کا کڑوا گھونٹ بھرنا ہی پڑا۔“ وقار نے آزردگی سے کہا۔

”سچ کہتے ہیں آپ...... بچوں کو اپنے لیے زبردستی اپنے قریب رکھنا خود غرضی ہے...... سلمان کے جانے کا مجھے بھی بہت غصہ تھا مگر اس کی آمد پہ میں سوچتا ہوں کہ شاید میرا غصہ غلط تھا...... ماں، باپ اولاد پر جب بھی اپنے فیصلے مسلط کرتے ہیں انجام اچھا نہیں ہوتا...... اولاد مجبوراً مان لے تو وہ ناخوش، نہ مانے تو ماں باپ ناخوش، خواہ مخواہ کی محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے......“ بریگیڈیر وقاص نے اعتراف کیا۔

”کچھ بھی ہو بھائی صاحب جوان بیٹے کی موجودگی سے والدین کو بڑی ڈھارس رہتی ہے...... اب دیکھیے سلمان کے یہاں ہونے سے کتنا مشکل وقت آسانی سے گزر گیا۔“ ارسلہ جلدی سے بولیں۔

”اس دفعہ تو میرے سارے اپنے ہی میرے پاس تھے...... سلمان بھی موجود تھا، بھائی جان بھی دوڑے چلے آئے، نادیہ کو تو خیر اطلاع دیر سے دی تھی، اب وہ بھی آ رہی ہے اور میری یہ بیٹی تو ہوتی ہی میرے پاس ہے۔“ بریگیڈیر وقاص نے نگاہیں عائلہ پر مرکوز کر دیں۔

”یہ تو ہے، ان کے دوسرے اٹیک میں تو نہ سلمان آ پایا تھا اور نہ ہی نادیہ، وہ پریگننٹ تھی اور آپ بھائی جان عمرے کی ادائیگی کے لیے گئے ہوئے تھے اگر عائلہ آ کے سب نہ سنبھالتی تو......“ ارسلہ نے ایک جھرجھری لی...... عائلہ جھینپ سی گئی۔

”چلو مشکل وقت اللہ کی مہربانی سے آسان ہو جاتا ہے، کوئی نہ کوئی وسیلہ تو بن ہی جاتا ہے، یہ بتاؤ سلمان کی فیملی پاکستان کب تک آ رہی ہے......؟“ وقار نے وہ سوال پوچھ لیا جس کے پوچھے جانے سے سب ڈر رہے

تھے۔

بریگیڈیر وقاص اور ارسلہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے ایمان اور ایان لندن میں اور صاحبزادے کئی مہینوں سے اِدھر، کچھ گڑبڑ ہی لگتی ہے۔“ بریگیڈیر وقاص نے کھل کے کہہ دیا...... ارسلہ نے شرمندہ نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھا اور وقار زور سے چونکے۔

”یہ تو اچھی بات نہیں...... تم نے معاملات سلجھانے کی کوشش نہیں کی؟“

”کوشش تو تب کروں گا جب کوئی سرا میرے ہاتھ میں آئے گا...... نہ تو ایمان سے کانٹیکٹ ہو پا رہا ہے اور نہ ہی سلمان کچھ سننے کو تیار ہے......“ وہ خفگی سے بولے۔

”ابھی تو آپ اسپتال سے واپس آئے ہیں خدا کے لیے کسی قسم کی ٹینشن مت لیں۔“ ارسلہ جلدی سے بولیں...... وہ چاہ رہی تھیں کہ موضوع تبدیل ہو جائے۔

”بالکل...... تم پریشان مت ہو...... ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔“ وقار نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ سب اپنی، اپنی سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

بابا کراچی واپس چلے گئے تھے اور وہ اپنی جاب پہ واپس آ گئی تھی۔

چاچو کی حالت کافی بہتر تھی۔ سلمان کی جاب کا آغاز ہو گیا تھا...... وہ کافی مصروف تھا...... نادیہ کی آمد یقیناً چاچی اور چاچو کے لیے آسانیاں لائی تھی لیکن نادیہ اس کی غیر حاضری پہ خفا تھی۔

”تمہیں توفیق نہیں ہو رہی ہے کہ آ کر اپنی شکل دکھا جاؤ۔“ اس نے فون پر اس سے شکایت کی۔ ”پنڈی سے اسلام آباد لگتا ہے کراچی جتنا دور ہو گیا ہے۔“

”بس یار پانچ دنوں کی چھٹی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں...... اب دوسرے چھٹی پہ ہیں اور ان کے حصے کا کام کرنا پڑ رہا ہے......“ وہ ہنسی۔

”ٹھیک ہے تم کام کرتی رہو...... میرے بچوں کی

اللہ کے دربار میں عاجزانہ دعا

کب سے کھڑی ہوں در پہ تیرے بن کے سوالی
دامن میں بجز اشکِ ندامت کے کچھ نہیں
پھیلاؤں کیسے دستِ طلب تیرے سامنے
تو ہے قریب میری رگِ جاں سے اس قدر
چوکھٹ تمہاری چھوڑ کے جائیں بھی تو کہاں
مسلم کا خون اس قدر ارزاں ہے آج کل
ہم پا رہے ہیں اپنے گناہوں کی سزائیں
ہے آج مسلمان بہت راندۂ درگاہ
اس کے گناہ معاف کر تو اے مرے اللہ
تجھ کو پکارتے ہیں جو مشکل میں پڑیں ہم
تو اپنے کرم سے کبھی محروم نہ کر ہمیں
تیرا ہی آسرا ہے اللہ ہمیشہ
آئے ہیں بڑی دور سے ہم بن کے سوالی
دامن تمہارے دین کا تھامے ہوئے ہیں ہم
اک نظرِ کرم ہم پہ بھی مولائے کل جہاں
کر ہم پہ کرم اپنا ہمیں تنہا نہ چھوڑنا

نذرانۂ عقیدت: فریدہ افتخار

چھٹیاں ختم ہو جائیں گی اور میں چلی جاؤں گی...... سردیوں کی چھٹیاں ہوتی ہی کتنی ہیں......“ نادیہ خفگی سے بولی۔

”اچھا بابا اس ویک اینڈ پر آ جاؤں گی اس سے پہلے کا شیڈول بہت سخت ہے۔“ اس نے ہار مان لی۔

”بابا بھی تمہیں ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں...... میں نے کہا بابا...... سگی بیٹی ہوں میں...... پانچ مہینوں کے بعد آپ میری شکل دیکھ رہے ہیں اور اگلے چند دنوں میں، میں واپس بھی چلی جاؤں گی میری کوئی پروا نہیں ہے آپ کو......؟ وہ ہنستے رہے...... تم نے کیا جادو کیا ہے میرے بابا پر......؟“ اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”اچھا اب جلو کڑھو مت...... میرے مریضوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے...... میں تمہیں

شام میں کال کرتی ہوں......'' اس نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا۔

☆☆☆

''کیسے ہو ینگ مین......؟'' بریگیڈیر وقاص نے میجر شاہنواز سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

''فائن سر......'' وہ مسکرایا۔

''تمہیں یہاں پا کر بہت خوشی ہوئی......'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جیسے ہی جوائن کیا آپ کی بیماری کی خبر ملی...... میں آپ سے ملے بغیر رہ نہیں سکا۔'' اس نے فوراً کہا۔

''یہ تمہاری محبت ہے...... باپ کیسا ہے تمہارا......؟'' انہوں نے پوچھا۔

''پاپا ٹھیک ہیں......آپ کو کال کرنا چاہ رہے تھے مگر آپ کا سیل فون آف ہے۔'' اس نے کہا۔

''جب سے اسپتال سے آیا ہوں میرا فون بیگم کی کسٹڈی میں ہے، فون ہی کیا میں خود بھی انڈر اریسٹ ہوں ان کے۔'' انہوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''یہ بہت ضروری ہے......ورنہ آپ کے لیے آنے والی لمبی لمبی کالیں آپ کو آرام تھوڑی ہی کرنے دیں گی۔'' ارسلہ کمرے میں داخل ہوئیں ان کے پیچھے، پیچھے ٹرالی لاتے ہوئے فیض اندر داخل ہوا۔

''السلام علیکم آنٹی...... کیسی ہیں آپ......؟'' شاہنواز تعظیماً کھڑا ہو کے بولا۔

''وعلیکم السلام...... بیٹے، میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ......!'' انہوں نے مسکرا کے کہا۔

''بالکل فِٹ......'' وہ ہنسا۔

''ماشاء اللہ نظر آرہا ہے مجھے۔'' وہ مسکرائیں اور اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔

''اتنا تکلف......'' اس نے بیٹھتے ہوئے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے سوچا تمہیں بیس، اکیس برسوں کے بعد تمہاری وہ پسندیدہ چیزیں کھلادوں جو تم بچپن میں سلمان کے ساتھ مل کر شوق سے کھاتے تھے......'' وہ ہنس کر بولیں۔

''زبردست آنٹی لیکن سلمان کدھر ہے......؟'' اس نے دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

''اس کی جاب ذرا نئی، نئی ہے اسی لیے کافی دیر تک اسپتال ہی میں رہتا ہے۔ تمہارے آنے کی خبر اسے دے چکا ہوں...... پہلی فرصت میں ملے گا تم سے۔'' بریگیڈیر وقاص نے سر ہلایا۔

''بہت اچھا لگ رہا ہے آپ لوگوں سے مل کے...... امید ہے سلمان کے ساتھ پھر اچھی ملاقاتیں رہیں گی۔'' وہ خوش ہو کے بولا۔

''ارے ہاں، تم عائلہ سے ملے...... میجر عائلہ وقار......'' بریگیڈیر صاحب کو ایک دم یاد آیا۔

''سر میں نے کل ہی جوائن کیا ہے، ابھی میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی...... لیکن امید ہے کہ جلدی ہوجائے گی......'' وہ شائستگی سے بولا۔

''اسی سال میجر بنی ہے...... انشاء اللہ آگے تک جائے گی۔'' بریگیڈیر وقاص نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

''جی سر...... اور سلمان اکیلے ہی آیا ہے...... اس کے بیوی، بچے......؟ شاید ایک بیٹا ہے ناں اس کا۔'' شاہنواز نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

اس سے پہلے کہ بریگیڈیر وقاص دوبارہ ہر ایک کی طرح اس کے سامنے بھی اپنی بھڑاس نکالنا شروع کردیتے ارسلہ نے جلدی سے کہا۔

''اس کی بیوی اور بیٹا بھی جلد آجائیں گے......تم یہ گاجر کا حلوا تو چکھو، یاد ہے تمہیں کتنا پسند تھا......تم اور سلمان مل کر چوری چھپے حلوے کا پورے کا پورا ڈونگا صاف کردیا کرتے تھے......'' ارسلہ نے جلدی سے گاجر کا حلوا اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... تھینک یو آنٹی......'' اس نے تکلفاً تھوڑا سا حلوا اپنی پلیٹ میں نکالا۔

''یہ کیا بھئی اور لو......میرا تو خیال تھا کہ تم پورا باؤل صاف کر جاؤ گے۔'' انہوں نے حیرت سے اس دو چمچ حلوے کو دیکھا جو شاہنواز نے اپنی پلیٹ میں نکالا تھا۔

''بس آنٹی اب میں پندرہ سالہ شاہنواز بخاری نہیں ہوں جو سب کچھ کھا جاتا تھا اور ڈکار بھی نہیں لیتا تھا...... میں اب پینتیس سال سے اوپر کا ہو چکا ہوں۔

ابھی سے احتیاط کروں گا تو شاید آگے آرام سے جی لوں۔'' وہ مسکرایا۔

''ینگ مین پینتیس برس بھی کوئی عمر ہوتی ہے...... ہم سے پوچھو جو ساٹھ سے اوپر ہونے کے باوجود سب کچھ کھا لیتے ہیں......'' بریگیڈیر صاحب نے گاجر کے حلوے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بالکل' ان کو دیکھو جو ساٹھ سے اوپر ہونے کے باوجود بھی سب کچھ کھا لیتے ہیں اور ہر تھوڑے عرصے کے بعد اسپتال پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔'' ارسلہ نے حلوے کا پیالہ ان کی پہنچ سے دور کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ ضرور ہے کہ پینتیس برس کا ہونے کے بعد تمہیں شادی ضرور کر لینی چاہیے...... اور لیٹ مت کرو...... ویسے کیا ہے کوئی نظر میں......؟'' بریگیڈیر صاحب نے حلوا پہنچ سے باہر ہوتے دیکھ کر چائے کی پیالی پہ اکتفا کرتے ہوئے شاہنواز کو مخاطب کیا۔

''شادی......! ہوجائے گی وہ بھی......'' شاہنواز جھینپ کے بولا۔

''منگنی ہوئی ہے تمہاری؟'' ارسلہ نے کریدا۔

''نہیں آنٹی ابھی تو نہیں......بس ممی اب اسی مہم کو سر کرنے نکلی ہیں۔'' وہ تابعداری سے بولا۔

''وش یو آل دا بیسٹ...... شادی زندگی کا اہم فریضہ ہوتا ہے اس کا تعلق بڑی حد تک قسمت سے ہوتا ہے مگر انسان کے بس میں جتنا ہے اسے بہت سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔'' بریگیڈیر وقاص نے اس کے شانوں کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''کیسے ہیں شاہنواز بھائی......؟'' نادیہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''اوہو......تو آپ بھی یہیں ہیں......'' شاہنواز کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''میں یہاں ہوں نہیں...... آئی ہوئی ہوں......'' وہ ہنستے ہوئے آکے بیٹھ گئی۔

''میری بیماری نے سب کو اکٹھا کردیا ہے۔'' بریگیڈیر وقاص مسکرائے۔

''عائلہ نہیں پہنچی...... کہہ تو رہی تھی کہ مغرب سے پہلے آجائے گی۔'' نادیہ نے وال کلاک پہ نظر دوڑاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''عائلہ آرہی ہے؟'' وہ چونکیں۔

''جی امی، اس نے آج شام آنے کو کہا تو ہے آج ہی دوپہر میری بات ہوئی ہے میں اسے کئی دن سے خوب سنا رہی ہوں...آنا ہی پڑے گا اسے۔'' نادیہ ہنسی۔

''زبردستی مت کیا کرو تم لوگ...... ویسے بھی وہ موقع ملتے ہی آجاتی ہے......اگر کوئی مسئلہ ہوتا ہے تب ہی نہیں آپاتی۔'' بریگیڈیر وقاص نے سنجیدگی سے کہا۔

''السلام علیکم......'' عائلہ کی آواز ابھری۔

''وعلیکم السلام......اسے کہتے ہیں کہ شیطان کا نام لو اور وہ موجود......'' نادیہ نے اٹھ کے اس کے گلے لگتے ہوئے جملہ کسا۔

''جی نہیں، اسے کہتے ہیں بڑی عمر ہے آپ کی۔'' عائلہ نے تصحیح کی۔

''اِدھر آؤ......'' چاچو نے خوش ہو کے بانہیں پھیلائیں۔

وہ ان کا پیار لیتی ہوئی ان کے برابر میں جا بیٹھی۔

''میجر شاہنواز، میٹ میجر عائلہ وقار......'' انہوں نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''نائس ٹو میٹ یو......'' شاہنواز کی نگاہوں میں عائلہ کے لیے ستائش تھی۔

''سیم ہیئر......'' عائلہ بھی مسکرائی۔

''یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وقت پیچھے کی طرف سرک گیا ہو...... مجھے تو ملتان کینٹ میں گزارے ہوئے دن یاد آنے لگے ہیں...... شاہنواز، نادیہ، عائلہ سب موجود ہیں، صبا اور سلمان کی کمی ہے......صبا تو آ نہیں سکتی لیکن سلمان تھوڑی دیر تک آجائے گا...... اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج رات کا کھانا سب ساتھ مل کر کھائیں گے......'' ارسلہ جلدی سے بولیں۔

''بالکل درست فیصلہ کیا ہے......'' بریگیڈیر وقاص نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

شاہنواز کے پاس رکنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا...... اس کی نگاہیں گاہے بگاہے عائلہ کی طرف اٹھ رہی تھیں...... اس کی نگاہوں کی چوری بریگیڈیر وقاص کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

☆☆☆

''اب خوش......'' ایمان نے ایان کے ہاتھوں میں پاسپورٹ تھمایا...... وہ پہلے حیران ہوا پھر خوشی سے اچھل پڑا۔

''پاسپورٹ......؟''

''ہوں......'' وہ مسکرائی۔

''تو اس کا مطلب ہے ہم پاکستان جا رہے ہیں۔'' وہ پُرجوش ہو کے بولا۔

''ہاں......'' وہ پھر مسکرائی۔

''کب......؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''عنقریب......'' اس نے پیار سے بیٹے کا سر سہلایا۔

سلمان نے اس کے ساتھ جو کیا سو کیا، اس نے ایان کے ساتھ تو بالکل بھی اچھا نہیں کیا تھا...... ایان کی شخصیت باپ کے بغیر بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ اکثر کھانا نہیں کھاتا...... پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتا...... ٹیچرز سے بدتمیزی اور کلاس فیلوز سے لڑائیاں بھی کرنے لگا تھا...... اس کے اسکول سے شکایتیں آنے لگی تھیں۔ ایک ذہین، مہذب اور خوش مزاج بچے کے اندر یہ تبدیلیاں یقیناً بڑی خوفناک تھیں۔ ایمان کو اسے ہینڈل کرنے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کبھی لالچ، کبھی پیار تو کبھی سختی سے ایان کو سمجھانا پڑا تھا...... ایمان کا خیال تھا کہ کچھ عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو جائے گا مگر وہ نارمل ہونے کے بجائے خاموش ہوتا چلا گیا...... کچھ دنوں سے وہ اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا...... اس نے ایمان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی...... لیکن یہ بات بھی ایمان کے لیے پاکستان جانے کے فیصلے کا سبب نہیں تھی۔ پاکستان جانا اس کی مجبوری کسی اور وجہ سے بنا تھا۔ الٹرا ساؤنڈ رپورٹ سے یہ کلیئر ہو گیا تھا کہ اس بار اس کی بیٹی اس دنیا میں آنے والی تھی۔ یہ خبر اس کے لیے سلمان کی موجودگی میں تو بے حد خوشی کا سبب بنتی...... مگر سلمان کی غیر موجودگی میں یہ خبر روح فرسا تھی۔ مام نے خود اسے اپنے پروں کے نیچے چھپا کے پالا تھا۔ مام مسلمان نہیں ہوئی تھیں مگر وہ تو مسلمان باپ کی بیٹی تھی...... یہ بات مام نے اس سے کبھی نہیں چھپائی تھی...... یہ اور بات کہ وہ ایک مسلمان بچی کی حیثیت سے اس کی پرورش نہیں کر سکی تھیں مگر اسے اچھے برے کا فرق ضرور بتایا تھا...... سلمان کے ساتھ شادی بھی شاید اس کے لاشعور کا فیصلہ تھا جہاں یہ احساس موجود تھا کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے...... اس کے اندر مام جتنی ہمت نہیں تھی...... وہ سلمان کے بیٹے کو تو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتی مگر سلمان کی بیٹی کو اس معاشرے میں تن تنہا پالنے سے قاصر تھی۔

ایان خوش ہو کر اس کے گلے آ لگا...... کئی مہینوں کے بعد ایان نے اس طرح محبت کا اظہار کیا تھا...... وہ آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپکنے لگی...... اندر ہی اندر وہ احساسِ جرم کا شکار ہو رہی تھی...... معصوم بچہ اس کامیابی کو اپنی خواہش کا نتیجہ سمجھ رہا تھا...... نہیں جانتا تھا کہ اب یہ اس کی ماں کی مجبوری بھی تھی۔

''ہم کب تک روانہ ہو جائیں گے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''شاید ایک مہینہ لگ جائے۔'' وہ خود پر جبر کر کے مسکرائی۔

''تو پھر اتنے پہلے سے پاسپورٹ مجھے کیوں دکھایا؟'' وہ پھر خفا ہو گیا۔

''یہ تو تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے...... کل بھلا کون سی تاریخ ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''پچیس......'' وہ چونکا...... وہ اپنی سالگرہ کا دن تک بھول چکا تھا۔ ورنہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی سالگرہ منانے کے حوالے سے بہت جذباتی ہو جاتا تھا۔ کئی ماہ پہلے سے ماں، باپ سے مختلف فرمائشیں شروع ہو جاتی تھیں۔ سالگرہ کا فنکشن خوب دھوم دھام سے منانے کے بعد رات کے وقت اس سے پوچھتا۔

''ماما اب میری سالگرہ کب آئے گی......؟ اُف پورا سال انتظار کرنا پڑے گا......'' وہ ہنس کے اسے گلے لگا لیتی۔

''بے وقوف...... سال تو بس یوں گزر جاتا ہے۔'' وہ چٹکی بجاتے کہتی۔

پچھلی سالگرہ پر سلمان نے اسے لیپ ٹاپ گفٹ کیا تھا...... ڈھیروں کی تعداد میں کھلونے بھی دلوائے تھے...... اور اس بار...... وہ سالگرہ کا دن بھول چکا تھا۔

وہ کس ذہنی کرب سے گزر رہا تھا ایمان کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہوا...... اس کی تکلیف کی شدت شاید ایمان کی تکلیف کی شدت سے زیادہ تھی۔

''ہم پورا مہینہ تیاریاں کریں گے...... تم دادا، دادی اور بابا کے لیے اچھے، اچھے گفٹس خریدنا...... اپنے لیے شاپنگ کرنا...... شاید ہمیں وہاں بہت زیادہ رہنا پڑے......'' اس نے ایان کو سمجھایا۔

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

''اور کل ہم اپنے پیارے ایان کی سالگرہ بھی تو بہت دھوم دھام سے منائیں گے۔'' مام کمرے میں داخل ہوئیں۔

''آپ کو یاد تھی میری سالگرہ......؟'' وہ دوڑ کے نانی سے لپٹ گیا۔

''بالکل...... میں نے سارے انتظامات چپکے، چپکے کر لیے تھے...... یہ تمہاری سالگرہ اور فیئر ویل دونوں ہو گی...... پھر تو اگلی سالگرہ تم اپنے بابا کے ساتھ مناؤ گے ناں......'' لز نے محبت سے اس کا سر چوما۔

''تھینکس گرینڈما......'' وہ مسکرایا۔

ایمان بھی اٹھ کے ماں کے قریب آ گئی...... اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''جہاں رہو خوش رہو، میری بچی...... خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے......'' لز نے ایمان کو بھی گلے لگا لیا۔

☆☆☆

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے......'' ارسلہ نے چائے کا مگ ان کی سائڈ ٹیبل پر رکھ کے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''فرمائیں......'' بریگیڈیر وقاص اخبار تہ کر کے رکھتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آپ نے سلمان کے متعلق کیا سوچا ہے؟'' انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

''سلمان کے متعلق...... میں کون ہوتا ہوں سلمان کے متعلق سوچنے والا...... صاحبزادے خود ہی کافی ہیں اپنے بارے میں سوچنے کے لیے......'' انہوں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''میرا مطلب تھا کہ......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر بریگیڈیر وقاص نے ان کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''دیکھیں بیگم صاحبہ، آپ کے ذہن میں جو کچھ بھی ہے کُھل کے کہیں...... پہیلیاں مت بجھوائیں۔''

''دیکھیں سلمان اب مستقلاً پاکستان آ چکا ہے...... جاب بھی ماشاء اللہ اچھی مل گئی ہے...... سیٹ ہو گیا ہے وہ، ہمیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔'' انہوں نے گھما پھرا کے اپنی بات مکمل کی۔

''مثلاً کیا سوچنا چاہیے......؟'' انہوں نے بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ایمان سے اس کی سیپریشن ہو چکی ہے...... میں نے اس چھ سات ماہ کے عرصے میں سلمان کے منہ سے اس کا ذکر تک نہیں سنا...... نہ ہی اس نے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی...... تو کیا وہ ساری زندگی یونہی اکیلا رہے گا......؟ ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' انہوں نے بالآخر اپنی بات مکمل کر دی۔

''میں تو انتظار کر رہا ہوں کہ بلی تھیلے سے کب باہر آتی ہے...... صاحبزادے ایمان کا ذکر نہ کر کے اس رشتے کو تو ختم نہیں کر سکتے جو اُن دونوں کے درمیان ابھی باقی ہے۔ سیپریشن کا مطلب طلاق نہیں ہوتا...... قانونی طور پر میاں بیوی میں سیپریشن کی مدت سوچنے سمجھنے کے لیے ملتی ہے کہ ایک مخصوص عرصے تک دونوں ایک دوسرے سے الگ رہ کر اچھی طرح غور کر سکیں کہ آیا انہیں دوبارہ اکھٹا رہنا ہے یا پھر طلاق لے کر الگ ہو جانا ہے۔'' بریگیڈیر صاحب نے تفصیل سے سمجھایا۔

''وہ سب میں نہیں جانتی...... میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کی خواہش تھی کہ سلمان کی شادی عائلہ سے ہو...... عائلہ ابھی تک کنواری ہے...... ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے ہی کی قسمت ہوں......'' ان کا باقی جملہ منہ ہی میں رہ گیا تھا کیونکہ بریگیڈیر وقاص نے تند و تیز لہجے میں ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''یہ سب کچھ آپ سوچ سمجھ کے کہہ رہی ہیں یا بغیر سوچے سمجھے......؟ بجائے اس کے کہ آپ اپنے بیٹے کا گھر

تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اسے بچانے کی کوشش کرتیں کجا کہ آپ اس کی دوسری شادی کا پروگرام بنا رہی ہیں اور وہ بھی عائلہ کے ساتھ......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......"

"میں تو صرف آپ کی اور عائلہ کی وجہ سے کہہ رہی تھی...... آپ کی بھی یہی خواہش تھی اور شاید عائلہ کی بھی...... جو وہ ابھی تک......" وہ کہتے کہتے خود ہی رک گئیں...... ان کا لہجہ بجھا ہوا تھا...... پھر دوبارہ بولیں۔

"میں نے تو ابھی سلمان سے بھی کچھ نہیں پوچھا ہے۔"

"پوچھیے گا بھی مت...... اب سلمان کے لیے ایمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے...... اور جہاں تک میری خواہش کا معاملہ ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ عائلہ میری بیٹی ہے...... اس کی شادی کا فیصلہ میں کروں گا اور وہ اس فیصلے کو مانے گی...... یہ میرا یقین ہے......" انہوں نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"آپ نے ایمان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی؟" ارسلہ نے کچھ سوچ کے پوچھا۔

"آپ کا خیال ہے کہ میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا ہوا ہوں......؟ اگر وہ اپنے فلیٹ پر ہوتی تو میں کب کا اس سے رابطہ کر چکا ہوتا...... وہ وہاں نہیں ہے اور اس کے پڑوس میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی ہے...... اس نے پرانے اسپتال سے جاب بھی ختم کر دی ہے...... ایان کا اسکول بھی بدل گیا ہے...... اسے ڈھونڈنے میں وقت تو ہو رہی ہے مگر یہ کام ناممکن نہیں...... درمیان میں میری طبیعت اتنی خراب نہ ہوتی تو یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوتا......" انہوں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"ایان بہت حساس بچہ ہے...... سلمان کو کم از کم بیٹے سے رابطہ رکھنا چاہیے تھا۔" ارسلہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"مجھے بھی سب سے زیادہ فکر اسی کی ہے۔" انہوں نے بھی سر ہلایا۔

"سلمان کچھ کھل کے نہیں بتاتا...... اسے ایمان پہ غصہ ہے، اپنی بات رد کیے جانے کا ملال ہے...... شاید وقت کے ساتھ اس غصے میں کمی آ جائے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"جو لوگ کسی دوسرے کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے، جو اپنے بزرگوں کی بات رد کر دیتے ہیں انہیں زندگی میں اپنے پاس اتنا حوصلہ ضرور جمع رکھنا چاہیے کہ جب بھی کسی مقام پر ان کی بات کو رد کیا جائے اور ان کے فیصلے سے انحراف کیا جائے تو وہ اسے برداشت کر سکیں۔ اس طرح میدان چھوڑ کے نہ بھاگیں......" ان کے لہجے میں ایک دم پرانا فوجی دبدبہ لوٹ آیا...... ارسلہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"نہ جانے دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" انہوں نے اکتا کر کہا۔

"عائلہ کے لیے تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے...... میجر شاہنواز سے بہتر کوئی نہیں......" بریگیڈیر وقاص نے قدرے نرم آواز میں کہا۔

"مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ آپ ایسا ہی کریں گے...... میجر شاہنواز اور بریگیڈیر بخاری کا ذکر گھر میں یونہی تو نہیں ہونے لگا ہے......" انہوں نے شوہر پر گہری نگاہ ڈالی۔

"اور آپ نے سوچا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، آپ یہ شوشہ چھوڑ دیں۔" انہوں نے جواباً بیوی پر گہری نگاہ ڈالی۔

"آپ میری نیت پر خوامخواہ شک کر رہے ہیں۔ میں نے تو صرف بگڑے ہوئے معاملوں کو سدھارنے کا سوچا تھا۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"آپ کی نیت بھلے سے نیک ہو...... مگر اس میں خود غرضی کی جھلک نظر آتی ہے...... چیزوں کو ضرور ٹھیک کریں مگر اس طرح جس میں سب کا فائدہ ہو...... بہرحال میں نے شاہنواز اور بخاری دونوں سے اس رشتے کے بارے میں بات کر لی ہے...... وہ دونوں بخوشی تیار ہیں اب صرف وقار بھائی سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اور عائلہ......؟" ارسلہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"عائلہ میری بیٹی ہے، اسے میرے کسی فیصلے پر ہرگز اعتراض نہیں ہوگا...... مجھے تو صرف شاہنواز اور اس کے والد کی مرضی دریافت کرنی تھی، وہ میں نے کر لی...... میں نہیں چاہتا تھا کہ پہلے عائلہ سے بات کروں اور پھر اگر شاہنواز نہ مانے تو عائلہ کی دل آزاری ہو۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

"خود ہی سب کچھ کرتے رہے اور مجھے بھنک بھی نہیں لگنے دی۔" ارسلہ کے ہونٹوں پر شکوہ مچلا۔

"اس کے لیے معذرت...... مگر میں چاہتا تھا کہ ساری باتیں اچھی طرح سے طے پا جائیں پھر اس کا اعلان ہو......" انہوں نے شانے اچکائے۔

بالکل...... اور میں تو غیر ہوں ناں، شاید پڑوسن ہوں...... مجھے بھلا شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب شادی طے ہو جائے اور کارڈ چھپ جائیں تو ایک مجھے بھی بھیج دیجیے گا...... آ کے شریک ہو جاؤں گی۔" انہوں نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بریگیڈیر وقاص کا قہقہہ دور تک ان کا پیچھا کرتا رہا۔ وہ بڑے دنوں کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

"تم تو بالکل پنڈی کی ہو کے رہ گئی ہو...... تمہاری شکل دیکھے ہوئے کتنے ماہ گزر چکے ہیں۔ ابھی پھر تم آنے سے انکار کر رہی ہو......" ماما کا غصہ بڑھنے لگا تھا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں ناں...... آج کل ڈاکٹرز کی شارٹیج ہو گئی ہے...... میرے ساتھ جو اور تھیں ان کی پوسٹنگ آ گئی وہ چلی گئیں اور ان کی جگہ جو پوسٹ ہوئی ہیں وہ ابھی تک پہنچی نہیں...... ایسے میں بھلا مجھے چھٹی کیسے ملے گی......" اس نے دہائی دی۔

"تو وہ کیوں نہیں پہنچی بھئی...... اسے بلوائیں ناں......" ماما نے جرح کی۔

"وہ بے چاری اس لیے نہیں پہنچ پائی کہ اس کی ریلیف نہیں پہنچی ہے...... اور وہاں کے سی ایم ایچ والے اسے نہیں چھوڑ رہے ہیں۔" عائلہ نے ماں کو سمجھایا۔

"بھئی یہ تو کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے اور خوامخواہ کی مصیبت تمہاری۔" ماما کو پھر غصہ آ گیا۔

"ای نوکری میں ایسے مراحل آتے رہتے ہیں...... پھر فوج کی نوکری میں اصول و ضوابط تھوڑے زیادہ ہی سختی کے ساتھ منوائے جاتے ہیں...... بہرحال آپ پریشان مت ہوں...... دو یا تین ہفتوں میں بہتری کی امید ہے۔" اس نے ماں کو دلاسہ دیا۔

"تمہیں ہی شوق تھا اس پابندیوں میں جکڑی نوکری کو کرنے کا...... گھر سے دور، ماں باپ سے دور...... کسی آوارہ پتّے کی طرح بے یار و مددگار یہاں وہاں ڈولتی رہتی ہو...... میرا دل جلتا ہے عائلہ تمہیں دیکھ کر...... شاید میں سکون سے مر بھی نہ سکوں......" ماما کی آواز بھرا گئی۔

"ماما پلیز...... کیا ہو گیا ہے آپ کو...... خود کو سنبھالیں۔" عائلہ گھبرا گئی۔

"میں ہی سنبھالوں خود کو...... تم کچھ نہ کرنا...... اپنی ساری زندگی ایسے ہی برباد کر لینا...... کچھ نوکری کے پیچھے اور کچھ چاچو کے پیچھے......" ماما نے غصے میں فون بند کر دیا۔

وہ حیرانی اور دکھ سے اپنے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی۔ ٹی بریک ختم ہو گیا تھا...... وہ تھکے تھکے قدموں سے کلینک کی طرف بڑھ گئی۔

"ایکسکیوزمی۔"

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

میجر شاہنواز اس سے چند قدموں کے فاصلے پر تھے اور اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ رک گئی اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"السلام علیکم......" ان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"وعلیکم السلام......" وہ جیسے اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔

"میں نے سوچا کہ آپ کو تو توفیق نہیں ہوگی...... میں ہی مل لیتا ہوں......" انہوں نے قدرے شوخی سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ انہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟" اچھے خاصے سنجیدہ بلکہ کسی حد تک اکھڑ، مغرور شخص، جسے اس نے کبھی ہلکے پھلکے بے تکلفی والے انداز میں نہیں دیکھا۔ اس وقت ایک مختلف انداز میں سامنے کھڑا تھا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ کہے۔ "آپ سے کس خوشی میں ملتی......؟ میرا ڈیپارٹمنٹ دوسرا ہے آپ کا کچھ اور...... میں جونیئر آپ سینئر...... پھر بھلا ہمارے درمیان ایسی کون سی بے تکلفی کی فضا تھی جو میں آپ کے در پر حاضری دیتی......؟" لیکن خود پہ کنٹرول کرتے ہوئے

بولی۔ ''کوئی کام تھا سر......؟''

''کام...... نہیں کام کیوں ہوگا...... بس آپ ایک دفعہ کے بعد نظر ہی نہیں آئیں...... حالانکہ میں کئی دفعہ سر کی طرف گیا ہوں......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ سر سے ان کی مراد بریگیڈیر وقاص تھے...... ''انکل'' سے ''سر'' تک کا سفر ان کی میچیورٹی کا کمال تھا۔

''ایک دو دفعہ تو گئی ہوں اس کے بعد بھی...... زیادہ نہیں جا سکی کیونکہ آج کل اسپتال ہی میں مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ آپ کو تو پتا ہی ہے۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے اور میجر شاہنواز اس کے ساتھ ہی چلنے لگے۔ اسے ہلکی سی کوفت کا احساس ہوا...... ''دراصل میں... فی الحال اکیلی ہی ہوں او پی ڈی میں...... اور رش بہت زیادہ ہے۔'' اس نے بات مکمل کی۔

''بالکل میں جانتا ہوں...... اسپتال میں آپ کی فرض شناسی کے بہت چرچے ہیں۔'' انہوں نے تعریفی نگاہ اس پر ڈالی۔

اس نے جواباً کچھ نہ کہا...... کاریڈور سے گزرتے ہوئے اپنی کلینک کے دروازے پہ وہ رک گئی۔

''اب یہ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہے ہیں؟'' اس نے جھنجلا کے سوچا۔

''آپ یقیناً یہ سوچ رہی ہوں گی کہ میں آپ کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہا ہوں۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر مسکرا کر کہا۔

عائلہ اس قدر درست مائنڈ ریڈنگ پر چونک گئی اور گڑبڑا کر بولی۔

''اوہ سوری...... شاید میں جلدی کی وجہ سے آپ کی بات بغور نہیں سن سکی...... اصل میں کام کا پریشر......'' اس کی بات میجر شاہنواز نے اچک لی۔

''کوئی بات نہیں...... مجھے صرف اتنا کہنا تھا کہ اس بار لانگ ویک اینڈ پر آپ اپنے چاچو کے گھر ضرور جایئے گا...... ہوسکتا ہے میں بھی آپ کو وہیں ملوں۔''

''جی......!'' اس نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔

''جی...... اوکے بائے......'' وہ جس طرح حیران کرتا ہوا اس کے ساتھ یہاں تک آیا تھا ویسے ہی حیران و پریشان چھوڑ کے چلا گیا۔

پہلے ماما کی باتوں نے پھر شاہنواز کی اس حرکت نے اس کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیا تھا...... وہ غائب دماغی سے اپنی سیٹ پر جا کے بیٹھ گئی...... مریضاؤں کی طویل قطار اس کی منتظر تھی...... اس نے اپنے حواس جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

☆☆☆

بابا کی بیماری کی وجہ سے اس نے اسپتال قدرے دیر سے جوائن کیا...... مگر جب کیا تو اندازہ ہوا کہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہونا کسے کہتے ہیں...... گو کہ ڈاکٹر زید کا اسپتال بہت سارے دیگر اسپتالوں سے بہت بہتر تھا مگر سلمان کو تو باہر کام کرنے کا مزہ ملا ہوا تھا وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر چڑ جاتا...... ایک پرائیویٹ اسپتال ہونے کے ناتے یہاں کے چارجز کافی زیادہ تھے اور اسی مناسبت سے وہاں پیسے والوں کی پہنچ ہی ممکن تھی...... لیکن نہ جانے کیوں اسے قدم، قدم پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ کسی ہیلتھ انسٹیٹیوٹ کے بجائے کسی کاروباری ادارے میں کام کر رہا ہو...... مریضوں کا عدم تعاون، انتظامیہ کی بے پروائیاں، ڈاکٹرز کی کوتاہیاں، ناقص اور غیر معیاری ادویات اور سب سے بڑھ کر ہر چیز کے آسمان تک پہنچے ہوئے چارجز...... وہ جب ترقی یافتہ ممالک کے اسپتال کا مقابلہ یہاں کے اسپتالوں سے کرتا تو اسے افسوس کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی ہوتی۔ کچھ چیزیں تو بس سے باہر تھیں مگر کچھ چیزیں جو ٹھیک ہو سکتی تھیں وہ اس نے ٹھیک کرنے کی کوششیں شروع کر دیں...... وہ بے تحاشا مصروفیت کا شکار ہو گیا تھا...... گھر بس سونے ہی کے لیے جا پاتا...... باقی دنیا میں کیا چل رہا تھا اسے اس کی خبر نہیں تھی۔ اس رات بھی وہ گھر پہنچا...... بابا سو چکے تھے...... امی جاگ رہی تھیں...... وہ بے چاری جب تک اپنے سامنے اسے کھانا نہ کھلا لیتیں انہیں چین نہیں آتا تھا۔

''اوہ...... آپ ٹیبل پر کھانا رکھ کے سو جایا کیجیے...... میں جب آؤں گا، کھا لوں گا......'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''ٹھنڈا کھانا؟'' وہ مسکرائیں۔

''فیض سے کہہ دیا کریں......'' اس نے جلدی سے کہا۔

''فیض نیند کا کچا ہے...... دیر تک جاگ نہیں سکتا...... زبردستی جاگے گا تو صرف کھانا نکالنے میں نہ جانے کتنے برتن توڑے گا......'' انہوں نے کھانا ٹیبل پر لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے، آئندہ سے میں کھانا باہر ہی کھا لیا کروں گا......'' اس نے سالن نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں...... گھر کے ہوتے ہوئے تم کھانا باہر کیوں کھاؤ گے......؟ سلمان ویسے تو یہ کام بیویوں کے آنے کے بعد ان کے ہی کرنے کے ہوتے ہیں...... مگر بیوی نہیں ہے تو کیا ہوا، ماں تو ابھی زندہ ہے ناں......'' انہوں نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ نوالہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ لمحے بھر کو ساکت ہوا۔

''بیوی...... بیوی اور بچہ......'' پچھلے چند ماہ میں اسے ان کی یاد تک نہیں آئی تھی۔ نہ جانے انہوں نے جان بوجھ کے بیوی کا تذکرہ چھیڑا تھا یا اتفاقاً اِک بات کہہ دی تھی۔ اس نے خاموشی سے نوالہ منہ میں ڈال لیا اور ہلکے ہلکے چبانے لگا...... اسے اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا کہ لگی ہوئی بھوک ایک دم غائب ہو گئی ہو۔

''آج پچیس تاریخ تھی...... ایان کی سالگرہ......'' ارسلہ ایک دم بولیں۔

''جی......'' وہ بے دھیانی کے عالم میں بولا۔

''تم نے ایان کو وش کیا......؟'' انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وش......؟'' وہ چونکا۔

''یا پھر تمہارے پاس بھی ان لوگوں کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔'' وہ طنز سے بولیں۔ وہ خاموش رہا۔

''سلمان...... تمہیں میں نے کتنی دفعہ کہا کہ تم میری ایمان سے اور ایان سے بات کروا دو، تم ٹالتے رہے...... تمہارے بابا نے تم سے ایمان کا نمبر مانگا تم نے بہانے بنا دیے۔ تمہیں یہاں آئے سات ماہ ہونے کو ہیں مگر کوئی بات واضح نہیں ہو رہی۔'' انہوں نے بالآخر پوچھ لیا۔

''امی...... یہ کون سا وقت ہے اس موضوع کو چھیڑنے کا۔'' اس نے کھانے سے ہاتھ روک کے پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آج سارا دن تمہارے بابا ایان کو یاد کرتے رہے ہیں...... پچھلی سالگرہ پہ اس نے دادا سے بہت ساری فرمائشیں کی تھیں جو انہوں نے پوری بھی کی تھیں اور اس سال...... اس سال وہ پوتے کو فون پر مبارک باد بھی نہیں دے سکے...... نہ ہی ان لوگوں کا کوئی فون آیا۔ تم کھل کے بتاتے کیوں نہیں......'' وہ زچ ہو کے بولیں۔

''کھل کے کیا بتاؤں......؟ جب مجھے خود ہی کچھ پتا نہیں۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''کیا مطلب......؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب یہ امی کہ ہمارے رشتے میں بہت بڑا خلا آ چکا ہے۔ میں نہیں جانتا کیا ہونے والا ہے...... دیکھیں، میں آپ کو شروع سے بتاتا ہوں...... آپ لوگوں کی تنہائی اور بابا کی بیماری کی وجہ سے میں نے پاکستان شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا...... ایمان نے اس کی مخالفت کی...... میں اس کے باوجود بھی یہاں آ گیا...... یہ سوچ کے کہ ایمان کتنی مزاحمت کرے گی...... ایک دو ماہ کے بعد بالآخر ہار مان لے گی...... مجھے اس کی محبت پر خواہ مخواہ ہی یقین تھا...... مگر اس نے کیا، کیا......؟ اس نے میرا گھر چھوڑ دیا...... اپنا سیل نمبر تبدیل کر لیا...... میں نے اس کے بارے میں پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس نے مجھے ایک دفعہ بھی یاد نہیں کیا...... ایک دفعہ بھی کال نہیں کی...... اور میرے لیے اس تک پہنچنے کے سارے راستے بند کر دیے...... اس کا کیا مطلب ہے......؟'' وہ رک رک کر کہتا گیا...... اس کی آواز میں دکھ تھا۔

''وہ کیا چاہتی ہے......؟'' ارسلہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''صاف نظر آ رہا ہے...... وہ مجھے زیر کرنا چاہتی ہے...... ہرانا چاہتی ہے...... اور یہ میں ہونے نہیں دوں گا......'' وہ غصے سے بولا۔

''ایان کا سوچو سلمان......'' ارسلہ نے اسے سمجھایا۔

''ایان میرا بیٹا ہے، میرا ہی رہے گا...... لیکن ایمان نے میرے دل میں اپنی محبت کھو دی ہے۔'' وہ خفگی سے

بولا۔

"رشتے ایسے نہیں ٹوٹتے...... کچھ بھی ہے...... وہ تمہاری بیوی تو ہے...... طلاق تو نہیں دی ہے تم نے...... اگر اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتے تو پھر سارے سلسلے ختم کردو...... طلاق دے دو اس کو اور اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلوالو...... اس طرح معاملے کو مت لٹکاؤ......" انہوں نے بیٹے کے شانوں کو تھپتھپایا۔

"طلاق......؟" وہ حیرت سے بولا۔

"سلمان تم پاکستان میں شادی کرلو...... اپنی زندگی برباد مت کرو......" وہ پھر بولیں۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ ایک دم کھڑا ہوگیا۔

"کیوں ممکن نہیں ہے......؟ بس میں نے کہہ دیا...... یا تو ایمان کے ساتھ اپنے معاملے کو کوئی حتمی صورت دے دو...... یا یہاں شادی کرلو......" وہ بھی کھڑی ہوگئیں۔

"ٹھیک ہے امی...... اس موضوع پر کسی اور دن بات کرلیں گے......" وہ اکتا کر بولا اور شب بخیر کہتا ہوا تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ارسلا اس کی پشت دیکھتی رہ گئیں۔ انہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب ہر صورت اس معاملے کو سلجھا کے رہیں گی۔

☆☆☆

میجر شاہنواز نے اسے حیران کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ ان کا ہر روز صبح، صبح اسے پابندی سے سلام کرنا ہی اس کی برداشت کا امتحان تھا...... زیادہ بات چیت تو نہیں ہو پاتی تھی مگر ان کا دیکھنا ہی کافی ہوجاتا تھا...... انتہائی سنجیدہ اور سوبر پرسنیلٹی والے میجر شاہنواز کو ہو کیا گیا ہے، وہ ان کے دیکھتے رہنے پر پزل ہوجاتی...... انہوں نے آنکھوں سے تیر چلانا بلکہ میزائل داغنا کیسے اور کب سیکھ لیا...... وہ ہر بار آمنا سامنا ہونے پہ یہی سوچتی۔ زندگی عجیب سی ہو چلی تھی۔

اسپتال میں مصروفیت حد سے سوا ہوگئی تھی۔ کراچی میں ماما ناراض تھیں...... چاچو کی طرف کچھ مصروفیت کی وجہ سے اور کچھ دانستہ طور پر وہ جا نہیں رہی تھی...... میجر شاہنواز نے الگ ستا رکھا تھا۔ وہ تھک کے چُور ہو کے جب بیڈ پر لیٹتی تو بجائے نیند آنے کے ذہن میں لاتناہی سوچوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اسے لگتا وہ بلا مقصد ہی جیے چلی جارہی ہے۔ "کیا یہ زندگی یونہی گزر جائے گی......؟ ضروری تو نہیں کہ زندگی میں جو چاہا جائے وہ ہو بھی جائے۔ ایسے خوش نصیب لوگ تو کم ہی ہوتے ہیں جو وہ سب کچھ حاصل کرلیتے ہیں جن کی انہیں خواہش ہوتی ہے...... سلمان وقاص جیسے......" اس نے سوچا۔ لیکن سلمان وقاص کی زندگی کا گورکھ دھندا اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"نہ جانے بیوی اور بیٹے کو کہاں چھوڑ آئے ہیں؟"

اس نے کروٹ لیتے ہوئے سوچا۔ چاچو سے اسے سلمان اور ایمان کے کسی اختلاف کی ہلکی سی سن گن تو مل گئی تھی مگر وہ تفصیل نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس نے کریدا تھا۔

"مرد سے زیادہ ظالم اور خود غرض اور کون سی مخلوق ہے......؟ اور مرد بھی سلمان جیسا...... جس نے ساری زندگی صرف اپنی خوشیوں اور خواہشات کو مقدم رکھا اور اسے کبھی کسی کا دل رکھنے کا خیال آیا ہی نہیں...... اس بار بھی اسی کی غلطی ہوگی۔" عائلہ کے دل نے معاملہ جانے بغیر سلمان کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔

وہ ایمان سے کبھی نہیں ملی تھی...... یہاں تک کہ وہ اسے جانتی بھی نہیں تھی۔ لیکن وہ سلمان کو ضرور جانتی تھی...... بلکہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اور جوں، جوں اس کی شخصیت کے اسرار و رموز کھل رہے تھے، عائلہ کی نگاہوں میں وہ اپنا مقام کھوتا جارہا تھا۔

"کیا یہ وہ شخص ہے جس کے کھو جانے پر میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال گنوا دیے؟" وہ اب خود سے پوچھنے لگی تھی۔

"صرف اپنی خوشی کے لیے جینے والے لوگوں کی زندگیوں میں بارہا ایسے مقام آتے ہیں جب انہیں اپنی خوشی کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کی خواہشات اور خوشیوں کو کچل کے آگے بڑھنا ہوتا ہے اور وہ یہ سب کچھ بڑے آرام سے کرگزرتے ہیں...... ایسے لوگوں پر بھروسا کرنا بے وقوفی ہے......" عائلہ کو احساس ہوا۔

اگلے دن اسے چاچو کے پاس جانا تھا۔ چاچو نے بطورِ خاص اسے فون پر آنے کے لیے کہا تھا...... کسی خاص بات کا ذکر بھی کیا تھا۔

"نہ جانے کون سی خاص بات ہوسکتی ہے۔" اس نے سوچا۔

اسے یاد آیا کہ میجر شاہنواز نے بھی تو اسے اس ویک اینڈ پر چاچو کے گھر آنے کی تاکید کی تھی۔

"کیوں...... یہ کیا راز ہے بھئی...... اس ویک اینڈ پر کیا ہونے جارہا ہے۔" اس نے دوبارہ کروٹ بدلی...... سوچتے، سوچتے اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں...... وہ فوراً ہی نیند کی وادیوں میں اتر گئی...... نیند سے پہلے اس کے تصور کے پردوں میں آخری تصویر شاہنواز کی تھی۔

☆☆☆

ایان کی آٹھ سالہ زندگی کی یہ پہلی سالگرہ تھی جب اس کا باپ اس کے ساتھ نہیں تھا...... صرف ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ اس نے اسے فون پر بھی مبارک باد نہیں دی تھی۔ اس نے کیا سوچا ہوگا......؟ وہ خفا ہوا ہوگا...... یقیناً خفا ہی ہوا ہوگا...... اس کی اور ایمان کی انا کی اس جنگ میں اس معصوم بچے کا کیا قصور ہے......؟ سلمان نے پاکستان آنے کے بعد پہلی مرتبہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا۔

"لیکن ساری کی ساری غلطی میری تو نہیں...... ایمان کو اس طرح رابطے منقطع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے کوفت محسوس کی۔

"کیا کروں...... کیا واپس انگلینڈ جا کر ایک کوشش اور کر کے دیکھ لوں......؟ پھر آر یا پار...... اگر ایمان نہیں مانی تو اس بار سارے رشتے ختم کر آؤں گا...... اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے آؤں گا......" بیٹے کی یاد آئی تو خون جوش مارنے لگا...... اور وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ یہ اور بات کہ ایمان کے لیے اب بھی اس کا غصہ برقرار تھا۔

☆☆☆

چاچو کے گھر جانے کے کئی طریقے ہوا کرتے تھے...... کبھی چاچو اسے ڈرائیور اور گاڑی بھیج کے بلوا لیتے...... کبھی وہ خود ٹیکسی پر چلی جاتی...... سلمان کے آنے کے بعد ایک آدھ دفعہ وہ اسے لینے آگیا تھا...... اور یہ عائلہ کو سب سے زیادہ برا لگا تھا...... اس مسئلے کا حل یہی تھا کہ اس کے اپنے پاس بھی گاڑی ہوتا کہ وہ کسی کے اوپر انحصار نہ کرے۔

یہ کوئی مشکل کام تو نہیں تھا...... اس نے اپنی گاڑی خرید لی...... گو چھوٹی کار تھی مگر برانڈ نیو تھی...... اپنی کمائی سے خریدی ہوئی کار دیکھ کر اسے یک گونہ اطمینان محسوس ہوا اس مرتبہ وہ خود ڈرائیو کرتی ہوئی چاچو کے گھر روانہ ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ میجر شاہنواز اسے کال کرکے اپنے ساتھ لے جانے کی آفر کرتے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ نکل جائے...... لیکن وہ اسے حیران کرنے پر تلے تھے تو بھلا کوئی موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتے۔

وہ چاچی کے گھر پہنچی تو گیارہ بج رہے تھے اس نے ہارن دیا...... فیض نے دروازہ کھولا۔

"اوہ...... نئی گاڑی...... مبارک ہو باجی۔" اس نے کار دیکھ کر خوشی سے باچھیں پھیلائیں وہ کار ڈرائیو وے پر کھڑی کرتی ہوئی باہر آئی۔

"شکریہ......" اس نے مسکرا کے فیض سے کہا۔

گیٹ پہ ہارن کی آواز سے وہ چونک اٹھی۔ "اس وقت کون آگیا؟" اس نے چونک کر اُسی طرف دیکھا۔ فیض نے دوبارہ گیٹ کھول دیا۔

میجر شاہنواز کی گاڑی اندر داخل ہوگئی۔

"ہائیں......" اس نے بہ مشکل اپنے حیرت سے کھلتے ہوئے منہ کو بند کیا۔ دوسرا جھٹکا اسے تب لگا جب میجر شاہنواز کے ساتھ چاچو بھی گاڑی سے اترتے دکھائی دیے۔

"چاچو آپ صبح، صبح کہاں گئے تھے...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟" وہ گھبرا کے ان کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔

"طبیعت تو سو فیصد ٹھیک ہے...... یہ دیکھو......" انہوں نے سینہ تان کے ہاتھ پھیلائے۔ ان کے اس طرح کہنے پر عائلہ نے بغور جائزہ لیا۔ وہ واقعی ہشاش بشاش نظر آرہے تھے...... عائلہ کی نگاہ فیض پر پڑی۔ جو کار کی ڈکی سے گالف کٹ نکال کر گھر کے اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

چاچو نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”بھئی آج شاہنواز کا موڈ گالف کا ہو رہا تھا سو وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا...... بڑے عرصے کے بعد گالف کورس میں قدم رکھا...... مزہ آ گیا......“ انہوں نے خوش ہو کے بتا دیا۔

”آپ نے زیادہ exertion تو نہیں کی؟“ عائلہ نے تشویش کے عالم میں انہیں دیکھا۔

”ارے نہیں بھئی، دو چار سے زیادہ شاٹس لگانے نہیں دیے صاحبزادے نے...... زیادہ تر میں گالف کورس کے سرسبز و شاداب ماحول اور تازہ ہوا ہی سے لطف اندوز ہوا ہوں......“ وہ جلدی سے بولے۔

میجر شاہنواز اس گفتگو کے دوران جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے کھڑے رہے۔

”زبردستی پوز مارنے کی کوشش......“ عائلہ نے جل کے سوچا۔ وہ ان سے دامن بچا کے بھاگی تھی اور وہ اس سے پہلے وہاں موجود......

”چلو بھئی اندر چلو...... یہاں کیوں کھڑے ہو تم لوگ......“ بریگیڈیر وقاص نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... اس کے ساتھ ہی ان کی نظر عائلہ کی کار پر پڑی۔

”کون آیا ہے...... یہ کس کی گاڑی ہے......؟“ وہ چونکے۔

”یہ میڈم کی کار ہے...... پرسوں انہوں نے شوروم سے نکلوائی ہے...... کل اس کی خوشی میں سب کو مٹھائی کھلائی ہے...... سوائے میرے...... اور آج خود ڈرائیو کرتی ہوئی یہاں تشریف لائی ہیں۔“ میجر شاہنواز نے مسکراتے ہوئے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔

”پل، پل کی خبر ہے موصوف کو......“ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گئی۔

”ارے واہ...... مبارک ہو بھئی......“ چاچو نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

”مگر سر ان سے یہ تو پوچھیں، انہوں نے مٹھائی سب کو کھلائی تو میں نے کیا قصور کیا تھا......؟“ شاہنواز کے لہجے میں شرارت بھری ہوئی تھی۔

عائلہ کا دل چاہا کہ کوئی کرارا سا جواب دے...... مگر اس کے سینئر ہونے کا لحاظ آڑے آ گیا۔

”مجھے معلوم تھا سر آپ مجھے یہاں ملیں گے، اس لیے آپ کے حصے کی مٹھائی میں یہاں لے آئی ہوں۔“ وہ قدرے چبا کے بولی۔

”اوہو شکریہ، شکریہ......! اس عزت افزائی کا کہ آپ نے مجھے اپنے خصوصی لوگوں میں شامل کیا۔“ وہ مسکرایا۔

”چلو بھئی...... تمہاری چاچی نے مزیدار سے ناشتے کا اہتمام کر رکھا ہوگا...... ناشتا کیا اب تو لنچ ہی کریں گے اور اس کے بعد عائلہ کی لائی ہوئی مٹھائی کھائیں گے۔“ بریگیڈیر وقاص نے اندرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا، وہ چاچو کے ساتھ آگے بڑھی۔ میجر شاہنواز ان کے پیچھے، پیچھے تھے۔

☆☆☆

”پروپوزل تو بہت اچھا ہے۔“ سعدیہ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

”میں نہ کہتا تھا کہ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں...... دیکھو وقاص نے اس کی محبت کا حق ادا کر ہی دیا...... شاہنواز، سلمان سے ہر اعتبار سے بہتر ہے...... چند مہینوں میں پروموٹ ہو کر لیفٹیننٹ کرنل بن جائے گا...... کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے...... وقاص کے بہت پرانے جاننے والے ہیں......“ وقار کے چہرے پر بھی اطمینان تھا۔

”بس اب عائلہ کوئی گڑبڑ نہ کرے...... پہلے بھی اچھے، اچھے رشتوں کو منع کر چکی ہے۔“ سعدیہ کے لہجے میں اندیشے تھے۔

”عائلہ سے بات کرنے کی ذمے داری بھی وقاص نے لے لی ہے...... بس اب دعا کرو کہ سب کچھ خوش اسلوبی سے ہو جائے۔“ وہ آہستہ سے بولے۔

”رشتہ طے ہو جائے گا تو جھٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیں گے۔ کتنا اچھا ہوگا دونوں ایک ساتھ ہوں گے...... ایک ساتھ پوسٹنگ ہو جائے گی اور ایک ہی اسٹیشن پر رہیں گے...... وقار صاحب اس سے زیادہ اطمینان بخش اور کون سی بات ہوگی ہمارے لیے......“ سعدیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”کچھ رشتے ایسے طے ہوتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو دیکھ کر صرف ایک ہی جملہ ذہن میں آتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے ہی کے لیے بنے ہیں......“ وقار مسکرائے۔

”باقاعدہ رشتہ کب آئے گا......؟“ وہ بے تابی سے بولیں۔

”شاید ایک آدھ ہفتے میں بات آگے بڑھے گی...... وقاص نے مجھے کل فون کیا تھا تو وہ کہہ رہا تھا کہ بریگیڈیر بخاری کو میرا نمبر دے دیا ہے۔“ انہوں نے بتایا۔

سعدیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آنے لگیں...... ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی تھی...... ایک ماں کا دل بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھا لیکن انجانے خدشات سے متفکر بھی...... یہی صورتِ حال وقاص کی بھی تھی...... عائلہ کی شادی ان کی ایک بہت بڑی خواہش کے ساتھ ساتھ ذمے داری بھی تھی۔

☆☆☆

”برنچ تو ہو گیا اب یہ جا کیوں نہیں رہے ہیں...... کیا سارا دن یہیں گزاریں گے؟“ عائلہ نے میجر شاہنواز کو چاچو کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کے گپیں لگاتے دیکھ کر کوفت کے عالم میں چاچی سے پوچھا...... یہ اور بات تھی کہ بول صرف بریگیڈیر وقاص ہی رہے تھے...... میجر شاہنواز مؤدب ہو کے ان کے زمانے کے قصے سنتے چلے جا رہے تھے۔

”کیوں تمہیں اس کا بیٹھا رہنا برا لگ رہا ہے کیا......؟“ وہ مسکرائیں۔

”مجھے برا تو نہیں لگ رہا...... مگر وہ چاچو کے پاس قبضہ جما کے بیٹھ گئے ہیں...... مجھے بھی تو چاچو سے بات چیت کرنی تھی۔“ وہ شکایتاً بولی۔

”تو تم بھی جا کے بیٹھ جاؤ۔“ چاچی نے اسے چھیڑا۔

”جی نہیں...... یہ چلے جائیں گے...... پھر میں چاچو کے پاس جا کے بیٹھوں گی۔“

”گھر آئے مہمان کو کمپنی تو دینی ہے ناں...... آج تو ہفتے کا دن ہے...... سلمان کا آف نہیں ہوتا وہ اسپتال گیا ہوا ہے اور مجھے کچن دیکھنا ہے...... ویسے بھی تمہارے چاچو کو کوئی فوجی اور وہ بھی جونیئر مل جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں...... ان کے پاس واقعات اور تجربات کا ایک ذخیرہ ہے جو وہ اپنی فیلڈ کے لوگوں ہی کو سنا کے خوش ہوتے ہیں۔“ چاچی نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ یہ محفل اب جلد برخاست نہیں ہونے والی...... چلیں پھر میں آپ کے ساتھ کچن میں ہیلپ کروا دیتی ہوں...... کیا بنانے جا رہی ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”تمہارے چاچو پرہیزی کھانا کھا کھا کے بور ہو چکے ہیں...... آج ان کے لیے ہلکے مسالے والی کوئی ڈش بناؤں گی اور تم کیا کھاؤ گی اپنی پسند بھی بتا دو۔“ وہ کیبنٹ میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولیں۔

”میری پسند کو رہنے دیں چاچی پہلے یہ بتائیں کہ کیا وہ موصوف رات کا کھانا کھا کے ہی تشریف لے جائیں گے؟“ وہ چڑ کے بولی۔

”جی نہیں...... موصوف تشریف لے جا رہے ہیں...... رات کا کھانا پھر کبھی سہی۔“ عائلہ کی پشت پر آواز ابھری اور وہ بلا مبالغہ کئی انچ اچھل پڑی...... امریکن اسٹائل اوپن کچن کا یہی نقصان ہوتا ہے...... وہ کب لاؤنج سے اٹھ کر وہاں آیا اسے خبر ہی نہیں ہوئی...... اور اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے...... وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور اب شرمندگی کے عالم میں فرش کو گھور رہی تھی۔

”اوکے آنٹی...... بس آپ سے اجازت لینے آیا تھا...... برنچ کا بہت شکریہ......“ اب وہ چاچی کو مخاطب کر کے بولا۔

چاچی ہاتھ میں مسالے کا ڈبا پکڑے ہلکی سی شرمندگی کے عالم میں کھڑی تھیں...... اس نے عائلہ کی بات سن لی...... تو کیا سوچتا ہوگا......؟ عائلہ شاید ناواقف تھی مگر وہ تو جانتی تھیں کہ اب شاہنواز سے کیسا تعلق ہونے جا رہا تھا...... انہوں نے شاہنواز کا چہرہ دیکھا جس پر ہمیشہ کی شرارت کی جگہ سنجیدگی تھی۔

”اوہ بیٹا شکریے کی کیا بات ہے...... تمہارا اپنا گھر ہے میں تو کہتی ہوں کہ رک جاؤ، ڈنر کے بعد ہی جانا......“

وہ جلدی سے بولیں۔

"نہیں آنٹی، مجھے ایک ضروری کام ہے چلتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے مڑنے لگا۔

"شاہنواز......" ارسلہ نے اسے جلدی سے پکارا۔

"جی آنٹی...... بیٹا تمہاری آمد کا بہت شکریہ...... بریگیڈیر صاحب تمہارے آنے، تم سے ملنے اور باتیں کرنے سے بہت خوش ہوتے ہیں...... آتے رہا کرو۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"جی ضرور......" وہ اس دوران پہلی بار مسکرایا اور عائلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ارسلہ کو خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔

"بہت بری بات ہے......" اس کے جاتے ہی ارسلہ، عائلہ کو خفگی سے دیکھ کر بولیں۔

"سوری چاچی، مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ یہاں آجائیں گے۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"تم اتنا چڑتی کیوں ہو شاہنواز سے...... اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا......؟" وہ جرح کرتے ہوئے بولیں۔

"میرا کیا بگاڑیں گے وہ...... بس بچپن ہی سے عجیب سے مزاج کے ہیں...... غصہ، غرور اور کسی کو کچھ نہ سمجھنا ان کی عادت تھی...... وہی تاثر شاید ذہن میں بیٹھ گیا ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"نہیں عائلہ...... شاہنواز بہت بدل گیا ہے...... اس میں بہت سمجھداری اور میچورٹی آئی ہے...... اس کے اخلاق اور رکھ رکھاؤ میں تو بہت نمایاں بہتری آئی ہے...... اور ظاہر ہے پہلے وہ بچہ تھا اب ایک سمجھدار مرد ہے...... تم بھی کب کی باتیں یاد کر کے بیٹھی ہو......" انہوں نے عائلہ کو سمجھایا۔

"عائلہ......!" چاچو کی آواز ابھری۔

"جی چاچو......" وہ چونک کے مڑی۔

"اِدھر آؤ...... میرے پاس بیٹھو آکے......" انہوں نے کہا۔ وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پاس پہنچی۔

"کہاں ہو بھئی......؟" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"اِدھر ہی ہوں......" وہ خاموشی سے ان کے سامنے جا بیٹھی۔

"کیا ہوا...... میری بیٹی اتنی خاموش کیوں ہے آج؟" انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں چاچو...... میں کب خاموش ہوں......؟" وہ زبردستی مسکرائی۔

"تو بھئی اب وہ خاص بات تم سے کرلوں جس کو سوچ، سوچ کے میرا دلِ ناتواں خوشی سے جھوم رہا ہے۔" وہ ہنس کے بولے۔

"کیسی خاص بات چاچو......؟" وہ حیرت سے بولی۔

"میں نے تمہارا رشتہ شاہنواز کے ساتھ طے کردیا ہے۔" وہ پھر مسکرائے۔

اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بغیر کسی تمہید کے، چاچو کے منہ سے اتنی بڑی بات اچانک سننا اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تمہاری شادی شاہنواز بخاری سے ہونا بہت مناسب ہے لیکن تمہاری مرضی بھی شامل ہونا بہت ضروری ہے، تو تم بتاؤ کیا کہتی ہو...... میرا فیصلہ منظور ہے......؟" وہ بچوں کی طرح پُرجوش ہو کے بولے...... عائلہ نے چاچو کو اتنا زیادہ خوش بڑے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا، وہ ان کی شکل دیکھتی رہ گئی اس کے منہ سے کچھ بھی نہ نکل سکا۔ سب کچھ طے کرنے کے بعد آخر میں اس کی رائے پوچھنے کا بھلا کیا مطلب تھا......؟ ایسے میں چاچی اس کی مدد کو آئیں۔

"ایسے سوال کنپٹی پر پستول رکھ کے پوچھے جاتے ہیں کیا......؟ اسے سوچنے کا موقع تو دیں۔"

"ہاں، ہاں سوچو بھئی ضرور سوچو، سوچ کے مجھے جلدی بتا دینا...... اور یہ ذہن میں رکھنا کہ شاہنواز مجھے پسند ہے۔" وہ مسکرا کے بولے۔

وہ کچھ نہ بولی صرف سر جھکا کے بیٹھی رہی، وہ جانتی تھی کہ اب اس کی ایک بھی چلنے والی نہیں...... فیض بازار سے کچھ سامان لے کر آیا تھا، چاچی اس کے پیچھے، پیچھے چل دیں...... اور اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اٹھے اور منظر سے غائب ہوجائے۔

"جب انسان عمر کی منزلیں طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں ابھی میں کھڑا ہوا ہوں تو بہت ساری چیزوں کی حقیقت کھل جاتی ہے، پیچھے مڑ کے دیکھنے کے بعد اپنی بھی بہت ساری غلطیاں نظر آتی ہیں. لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس راہ گزر پر پیچھے واپس جانے کا کوئی آپشن موجود نہیں ہوتا، ان غلطیوں پر افسوس تو کیا جاسکتا ہے انہیں سُدھارا نہیں جاسکتا، بس عقل مندی یہ ہے کہ اپنی غلطیوں اور تجربوں سے کچھ سیکھنا چاہیے اور آگے کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔" وہ سانس لینے کو رکے۔

عائلہ ان کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی ایسا لمحہ آئے کہ تمہیں پچھتانا پڑے...... جو چیزیں کبھی زندگی اور موت کا مسئلہ محسوس ہو رہی ہوتی ہیں تھوڑا وقت گزرنے کے بعد سراسر حماقت محسوس ہوتی ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" انہوں نے ایک دم پوچھ لیا اور وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

"جی......"

"گزری ہوئی حماقتوں کو یاد کر کے یا تو انسان ان پر ہنستا ہے یا شرمندہ ہوتا ہے۔ ہنسا تب جاتا ہے جب اس حماقت کی وجہ سے کسی کا کوئی نقصان نہ ہوا ہو اور شرمندگی تب ہوتی ہے جب وہ حماقت کسی آزار کا سبب بن گئی ہو...... مجھے یقین ہے کہ تم آج سے چند سالوں کے بعد اپنی گزری حماقتوں پر ہنس رہی ہوگی، شاہنواز اور اپنے بچوں کے ساتھ۔"

عائلہ ان کے جملوں کے آخری حصے پر گڑبڑا گئی...... اس کے بعد اس سے وہاں بیٹھا نہیں گیا...... "یہ آج چاچو کو کیا ہوگیا ہے؟" اس نے وہاں سے اٹھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

پہلی بار تھا کہ وہ ویک اینڈ پر عائلہ کی موجودگی پر irritate نہیں ہوا۔ وہ عائلہ کا بغور جائزہ لے رہا تھا...... پورے گھر میں آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتی ہوئی عائلہ گھر کا حصہ محسوس ہو رہی تھی...... کبھی امی تو کبھی بابا کے پاس...... کبھی کسی کام میں مصروف یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اجنبی ہو اور یہ گھر عائلہ کا ہو...... "یہ مقام تو ایمان کا تھا...... اگر وہ میرے ساتھ آگئی ہوتی تو اس وقت عائلہ کی جگہ وہ نظر آتی...... اور ایان...... وہ دادا کے ساتھ بیٹھا ان کے قصے سن رہا ہوتا اور اپنے سنا رہا ہوتا...... یا باہر لان میں میری طرح کرکٹ کھیل، کھیل کر لائٹیں توڑ رہا ہوتا یا بھاگ، بھاگ کے گھاس خراب کر رہا ہوتا...... مگر امی بابا اس کی اس حرکت پر اسے کچھ بھی نہیں کہتے...... جیسے مجھے ہر ایکٹیشن پر لان کی گھاس خراب کرنے پر امی سے ڈانٹ سننی پڑتی تھی......" اس کے لب خواہ مخواہ مسکرا اٹھے...... ایمان کی ضد نے اس گھر کو اس رونق سے محروم کردیا تھا۔

"اتنے مہینے گزر گئے...... مڑ کے دیکھا بھی نہیں...... خدا جانے میرے بیٹے کو لے کر کہاں غائب ہوگئی ہے ضدی عورت......" اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی اور دانت غصے میں ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے۔

"تم نے مجھے نیچا دکھایا ہے، اب میں تمہیں نیچا دکھاؤں گا ایمان...... انتظار کرو...... شاید امی ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں...... مجھے اپنی زندگی کے لیے کوئی بہتر فیصلہ کرلینا چاہیے...... دوسری شادی...... مگر کس سے......؟ وہ کون ہوگی جو مجھے سمجھ سکے، میرے ماں، باپ کو اپنے ماں باپ سے بڑھ کر عزت دے...... اس گھر کو سنبھال سکے......"

عائلہ بریگیڈیر وقاص کی کسی بات پر زور سے ہنسی...... اس کے مترنم قہقہے نے سلمان کو اس کی سوچوں سے ایک دم باہر نکال دیا۔ وہ زور سے چونکا۔

"عائلہ...... ہاں عائلہ وقار سے بہتر اور کون ہوسکتی ہے......؟ جو بچپن سے میرے گھر کے ماحول میں رچی بسی ہے، جو میرے ماں باپ سے مجھ سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے، جو مجھے اور اس گھر کو سنبھال سکتی ہے...... جو بابا کی خواہش ہے...... اور ابھی تک کنواری ہے...... میرے پروپوزل پہ خوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہی نہ ہوجائے......" سلمان کی سوچوں میں ایک دم تکبر اتر آیا...... اس خیال نے اسے مطمئن کردیا تھا...... وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

عائلہ کو کسی مُردے کے اچانک زندہ ہونے کی خبر ملتی تو شاید وہ اس قدر حیران نہ ہوتی جتنا وہ اس میسج کو پڑھ کے ہوئی تھی۔ موبائل اس کے بے جان ہاتھوں میں ساکت پڑا تھا اور اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

"کچھ چیزیں جن کی انسان تمنا کرتا ہے، جن کے لیے ہاتھ اٹھا کے رو رو کے دعا کرتا ہے، کبھی کبھی مل تو جاتی ہیں مگر بہت دیر سے...... اتنی دیر کہ جب ان کی اہمیت اور طلب کی شدت میں کمی آچکی ہو۔" یہ پیغام اگر اسے دس گیارہ سال پہلے ملتا تو شاید وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی...... مگر اب صرف سکتے میں تھی۔ سلمان نے اسے پروپوز کیا تھا...... انتہائی سادہ انداز میں۔

"تم مجھ سے شادی کرو گی......؟" اسے لگا شاید سلمان نے اس سے مذاق کیا ہے...... لیکن چند ہی منٹوں کے بعد سلمان کی کال نے اسے ایک دوسرا جھٹکا دیا۔

"میرا میسج مل گیا......؟" اس کا انداز نارمل تھا۔

"جی......" وہ کسی ٹرانس کی حالت میں بولی۔

"میں نے سوچا امی بابا سے بات کرنے سے پہلے تم سے پوچھ لوں...... اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو یہ کام میں جلد کرنا چاہوں گا۔" وہ نپے تلے انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں عائلہ کو محبت اور طلب سے بڑھ کر کچھ اور محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اس کا لہجہ حاکمانہ تھا...... یا شاید کاروباری اسے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا اور وہ خاموش رہی۔

"تم سوچ لو...... جواب جلدی دے دینا۔" اس نے فون بند کر دیا۔

"عائلہ وقار...... وہ خوش نصیبی جس کی تم نے برسوں سے تمنا کی بالآخر تمہارے دروازے تک چل کے آہی گئی......" عائلہ نے موبائل کو بے دلی سے میز پر ڈال دیا۔ نہ جانے کیوں اس پیغام پر اس کا دل خوش نہیں تھا۔

وہ الجھنے لگی...... کچھ دنوں پہلے چاچو نے میجر شاہنواز کا پیغام اسے دیا تھا...... کراچی میں ماما، بابا...... اور یہاں چاچو، چاچی سب اس رشتے پر خوش تھے...... اگلے ویک اینڈ پر میجر شاہنواز کے والدین باقاعدہ رشتہ لے کر اس کے گھر جانے والے تھے...... وہ اس معاملے میں خاموش تماشائی تھی کہ اچانک سلمان کا فون......؟

"کیا اسے میجر شاہنواز کے پروپوزل کے بارے میں علم نہیں...... یا وہ یہ رشتہ نہیں ہونے دینا چاہتا ہے؟" عائلہ خود کو ایک عجیب دوراہے پر کھڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

مریضاؤں کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بدستور الجھا ہی رہا...... میجر شاہنواز اور سلمان کے ہیولے اس کے گرد چکر لگاتے رہے...... اس کے لیے فیصلہ دشوار ہوتا جا رہا تھا...... ایک طرف ماضی کی وہ آرزو تھی جو زندگی کی کسک بن گئی تھی، دوسری طرف ایک بہتر مستقبل تھا...... ایک طرف دل تھا تو دوسری طرف عقل...... دل ہمک کے سلمان کی طرف جھک رہا تھا تو عقل شاہنواز کا ساتھ دے رہی تھی...... وہ سلمان کے آسیب سے بچنے کے لیے چاہے اسے کتنا برا کہتی اس سے دور بھاگنے کے لیے دل کو سو، سو تاویلیں دیتی مگر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ نے عائلہ کی ساری کوششوں پر منٹ بھر میں پانی پھیر دیا تھا...... ہر چیز ایک دم پسِ پشت جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی...... ایسے میں اسے نہ ایمان یاد آئی نہ ایان کا خیال آیا۔

اس لمحے اسے اپنی کمزوری کا ادراک ہوا......"کیا سلمان کی محبت کسی آکٹوپس کی طرح مجھے اس بری طرح جکڑ چکی ہے کہ میں اب اس سے چاہ کے بھی نجات نہیں پاسکتی......؟" اس نے سوچا۔

آخری مریضہ کو بھگتا کے وہ تھکے، تھکے قدموں سے اپنے کمرے سے باہر نکلی...... او پی ڈی کا وقت ختم ہو چکا تھا...... اِکا دُکا مریض اور اسٹاف کاریڈور سے گزر رہے تھے وہ سر جھکائے آگے بڑھی اپنے سامنے دو بھاری بوٹوں میں مقید پیروں کو دیکھ کر ٹھٹکی جو گویا وہیں جم سے گئے تھے...... نظر اٹھائی تو میجر شاہنواز سامنے تھے۔

"السلام علیکم......" اس نے گڑبڑا کے کہا۔

"وعلیکم السلام......" وہ خلافِ توقع سنجیدہ تھے۔

بریگیڈیر وقاص کے گھر دونوں کی آخری ملاقات وہی تھی جب شاہنواز اس کے ریمارکس سن کے قدرے ناراض ہو کے گیا تھا اور وہ وہی دن تھا جب انہوں نے اسے شاہنواز کے پروپوزل کے بارے میں بتایا تھا...... اس کے بعد وہ اسے اسپتال میں نظر نہیں آیا...... اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا...... وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی...... اور اب اچانک انہیں سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آپ خوش ہو رہی ہوں گی کہ میں کئی دنوں سے

آپ کو نظر نہیں آیا...... اور مطمئن ہوں گی کہ میں کہیں مر کھپ گیا ہوں گا اور آپ کی جان چھوٹی......" اس کا لہجہ افسردہ تھا یا طنزیہ وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر پائی۔ اس کی خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔

"بیمار ہو گیا تھا میں...... شاید آپ کی بد دعاؤں کے طفیل۔" جملے کا آخری حصہ اس نے زیرِ لب کہا مگر اس نے سن لیا۔

"کیا مطلب...... میں کیوں بد دعا دینے لگی آپ کو؟" وہ حیران و پریشان ہو کے بولی۔

"کہیں بیٹھ کر بات کریں...... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"یہاں...... اسپتال میں......؟" وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

"جی نہیں...... میں...... آپ سے کسی مریض کی بیماری ڈسکس نہیں کرنے والا ہوں، مجھے جو ضروری بات کرنی ہے وہ میرے متعلق ہے...... میری زندگی کے متعلق......!" وہ جلدی سے بولا۔

عائلہ نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں جیسے پوچھ رہی ہو...... "پھر......؟"

"کل رات آفیسرز کلب میں ڈنر اور تمبولا ہے...... وہاں ملتے ہیں، آئیں گی ناں آپ......؟" وہ ہاتھ باندھے تن کے کھڑا ہوا تھا...... عائلہ نے اس پر ایک نظر ڈالی۔

"ٹھیک ہے...... میں آجاؤں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"شکریہ......" وہ اس پر ایک گہری نظر ڈال کے بولا اور الٹے قدموں واپس مڑ گیا۔ "موصوف کے انداز آج کچھ اکھڑے، اکھڑے لگ رہے تھے...... پہلے تو خواہ مخواہ فری ہونے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ پروپوزل بھیجنے کی باتیں بھی شروع ہو گئیں اب خود بخود ہی نہ جانے کس بات پر اتنا بگڑ گئے ہیں...... لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، جب کسی سے خوش ہوتے ہیں تو اسے خواہ مخواہ آسمان پر بٹھا دیتے ہیں اور جب ناراض ہو جاتے ہیں تو زمین پر پٹخ دیتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو اکثر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی کب اور کیوں خوش ہوا اور کب ناراض بھی ہو گیا......" عائلہ نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ "اس دن چاچو کے گھر کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہوئی تھی کہ جناب اتنے زیادہ تپ جائیں...... خیر......" اس نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

فیصلہ اتنا دشوار ہو جائے گا عائلہ نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ عام حالات ہوتے تو وہ سلمان سے دائیں بائیں ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر اب حالات بالکل مختلف تھے اگر وہ سارے مسئلے ایک طرف ڈال کے سلمان کے حق میں فیصلہ دے دیتی تو کیا ماما، بابا مان جاتے......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ماما، بابا کیا چاچو، جو شاہنواز کے لیے اسے ہموار کر رہے تھے اس پروپوزل کا سن کے شاید ایٹم بم کی طرح پھٹتیں...... ان کا غصہ، ان کی بیماری اور عمر سے بالاتر تھا یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی...... کیا وہ سب کی مخالفت سہہ کر سلمان کا ہاتھ تھامنے کی ہمت رکھتی ہے؟ اس نے خود کو ٹٹولا۔

"ساری دنیا بھی مخالف ہو جائے...... سلمان تو میرے ساتھ ہو گا ناں......" اس کا دل برسوں پہلے والا نادان دل بن گیا۔

اس کے گالوں پر ایک دم حیا کی سرخی دوڑ گئی...... اس نے تکیے پر پڑے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور اپنی پیشانی سہلانے لگی۔ وہ صبح سے کسل مندی کے عالم میں یونہی بستر پر پڑی تھی...... آج ویک اینڈ تھا اور اس کا آف تھا۔

"سلمان جب اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ نہیں رہا تو تمہارے ساتھ کیوں ہو گا......؟" دماغ نے پہلا وار کیا۔

"اس کی بیوی کا قصور ہو گا......" دل نے وکالت کی۔

"تم نے اس کی بیوی سے کتنی بار ملاقاتیں کی ہیں، تم اسے کیا جانو......" دماغ نے جرح کی۔

"میں سلمان کو تو جانتی ہوں......" اس کا دل ہمکا۔

"یاد کرو، چند دنوں پہلے تم اسے ہی مجرم گردان رہی تھیں......" دماغ نے ٹوکا۔

"اس وقت میں اس سے خفا تھی......" وہ جلدی سے بولی۔

"انگور کھٹے تھے......؟" دماغ نے قہقہہ لگایا۔

"اُف......" وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔

”وہ چیزوں کو ٹھیک کرنا جانتا ہے، اب بھی اپنی غلطی سدھارنا چاہ رہا ہوگا اسے عقل آ گئی ہوگی......“ دل اس کی مدد کو لپکا۔

”ایسے لوگوں کی عقلیں بھی اس حد تک کام کرتی ہیں جہاں تک ان کا فائدہ ہو...... وہ اپنی غلطی دوسروں کے مفاد میں نہیں بلکہ اپنے مفاد میں سدھارتے ہیں...... کبھی اپنے نام کے لیے، کبھی اپنی اہمیت تو کبھی اپنی خواہش کے لیے...... اور ہاں کبھی کبھی صرف اور صرف اپنی انا کے لیے......“ دماغ کا وار کاری تھا۔ وہ چونک کے سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

”دلدل میں مت کودو...... دھنستی چلی جاؤ گی، یہیں رک جاؤ...... پلٹ جاؤ۔ ایک صاف ستھرے روشن راستے کی طرف......“ اس نے ہاتھوں کو مسلا جو پسینے میں بھیگ چکے تھے۔

”اگر ایمان، سلمان کی زندگی میں قدم بہ قدم ساتھ رہتی تو کیا پھر بھی وہ تمہاری طرف ہاتھ بڑھاتا......؟“ دماغ نے پوچھا۔

”نہیں......“ دل نے اس بار ایمانداری سے جواب دیا۔

”تو تم اس کے لیے سیکنڈ آپشن ہو، مجبوری والا آپشن...... تم اس کی آرزو نہ کبھی تھیں نہ کبھی ہوگی......؟“ دماغ نے فیصلہ سنا دیا۔

دل خاموش تھا...... گویا ہار مان چکا تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اتری...... اسے شاور لینا تھا اور رات کے لیے اسپیشل تیاری بھی کرنی تھی...... شاہنواز نے اسے آج پہلی بار ڈنر کے لیے انوائٹ جو کیا تھا۔

☆☆☆

سلمان نے موبائل اٹھا کے چیک کیا...... نہ کوئی میسج نہ ہی کوئی مس کال...... اسے عائلہ سے اتنا زیادہ وقت لینے کی توقع نہیں تھی۔ نہ برسوں پہلے نہ اب...... عائلہ کا اقرار اس کی زندگی کے بہت سارے مسائل کا حل ثابت ہونے والا تھا......“ لیکن وہ اتنی دیر کیوں کر رہی ہے؟“ تنگ آ کے اس نے اسے دوبارہ ٹیکسٹ کیا۔

"waiting for your reply"

بغیر کسی القاب و آداب کے لکھا ہوا یہ میسج اسے عائلہ کو بھیجتے ہوئے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں ہوئی...... وہ کون سا اس کی محبت میں مرا جا رہا تھا...... نہ ہی عائلہ کو اس نے کبھی اتنی اہمیت دی تھی کہ اس کے جذبات کا خیال رکھتا...... لیکن کچھ بھی ہو اسے یہ ضرور اچھا لگتا تھا کہ وہ کسی کی پروا کرے یا نہ کرے...... دوسرا اس کی راہوں میں بغیر زبان پہ حرفِ شکایت لائے، پلکیں بچھائے کھڑا رہے...... اور عائلہ سے زیادہ اچھی طرح اور کون اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے قابل تھا...... وہ دونوں ہاتھوں کو گردن کے پیچھے پھنسائے تکیے پر سر رکھ کر نیم دراز ہو گیا...... اس کے انداز میں ایک عجیب سی بے نیازی تھی...... اس نے موبائل چیک کیا...... جواب ابھی تک نہیں آیا تھا......

”شرما رہی ہوگی۔“ اس نے سوچا۔ موبائل کی بیپ کی آواز آئی۔ جواب آ چکا تھا۔

☆☆☆

عائلہ نے تیار ہو کے خود کو آئینے میں دیکھا اور دم بخود رہ گئی...... اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہ خود ہے...... اس نے بہت زیادہ اہتمام نہیں کیا تھا مگر چہرے پر آئی رونق ہی اتنی زیادہ تھی کہ جس نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے...... وہ تو خود ہی اپنی کار میں جانا چاہ رہی تھی مگر شاہنواز نے اسے پک کرنے پر زور دیا...... وہ اسے لینے آنے والا تھا۔

وہ شاہنواز کے بارے میں سوچنے لگی...... پہلی بار اسے یہ کام اچھا لگ رہا تھا۔ شاہنواز وقت پر پہنچ گیا۔ عائلہ کو دیکھنے کے بعد اس کی کیفیت بھی وہی ہو گئی تھی جو کچھ دیر قبل عائلہ کی تھی۔

”ماشاءاللہ۔“ وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ عائلہ اس کے ریمارکس نظر انداز کرتی ہوئی گاڑی میں جا بیٹھی۔

”بہت، بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا......“ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

”ذاتی طور پر میں یوں کسی کے ساتھ سفر کرنے کو پسند نہیں کرتی مگر آپ کی ناراضی کے ڈر سے آپ کی یہ پیشکش قبول کرنی پڑی۔“ اس نے گل افشانی کی۔

”اوہ...... بڑی مہربانی آپ کی جو آپ نے مجھ پر اعتبار کیا لیکن اس کے باوجود میرا کیا بھروسا...... ہو سکتا ہے کہ آپ کو اغوا ہی کر لوں۔“ اس کے ہونٹوں پر آئی

مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی اور لہجہ تپ گیا۔

”ہاں یہ تو ہے...... مگر اب کیا ہو سکتا ہے......“ عائلہ نے ہونٹوں پر آئی ہوئی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے جواب دیا۔

”تو میں آپ کو ایک موقع دیتا ہوں، آپ اپنی غلطی سدھار لیں......“ وہ خفا خفا سا بولا۔

”میں ایک غلطی کو ٹھیک کرنے کے لیے دوسری غلطی کرنے کی عادی نہیں ہوں......“ وہ ایک دم اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”مطلب......؟“ وہ بدستور اسی لہجے میں بولا۔

”مطلب یہ کہ آپ گاڑی چلانا پسند کریں گے؟“ اس بار عائلہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”سبحان اللہ...... آپ نے تو ابھی سے پریکٹس شروع کر دی۔“ وہ کندھے اچکا کے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

”کیسی پریکٹس......؟“ عائلہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”تجربہ تو نہیں ہے مگر سنا ہے کہ شادی کا ہنی مون پیریڈ ختم ہوتے ہی بیویاں کافی کٹ کھنی ہو جاتی ہیں...... بے چارے شوہروں کو ہر وقت ڈانٹتی پھٹکارتی اور جلی کٹی سناتی رہتی ہیں۔“ اس نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا اور وہ ایک دم شرمندہ ہو گئی۔ فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”اچھا اتنی گراں قدر معلومات ہونے کے باوجود بھی آپ شادی کا شوق رکھتے ہیں؟ حیرت ہے۔“

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے...... کچھ لوگ پاگل بھی تو ہوتے ہیں، اپنی پُرسکون زندگی سے خواہ مخواہ بور ہو کے ایڈونچر کرنا چاہتے ہیں......“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”اوہو...... یہ جان کر کافی افسوس ہوا کہ آپ پاگل ہیں......“ اس نے پاگل کو کافی لمبا کھینچتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ جو بات آپ سے پوچھنے کے لیے آپ کو ڈنر پر لے جا رہا تھا وہ ابھی ہی پوچھ لوں؟“ وہ روٹھے، روٹھے انداز میں بولا۔

”ضرور پوچھ لیں، آپ نے سوچا ہوگا کہ پتا نہیں جواب حسبِ توقع ملے یا نہیں ملے، خواہ مخواہ کھانے کا نقصان کرنے سے کیا فائدہ......“ اس نے آتی ہوئی ہنسی کو بہ مشکل روکتے ہوئے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

”بات یہ ہے کہ مجھے آپ اچھی لگی تھیں...... بہت زیادہ...... اور میں پورے خلوص کے ساتھ آپ کو پروپوز کرنا چاہ رہا تھا...... مگر آپ کا گریز اور یہ انداز دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آپ شاید میرے لیے ایسا کوئی جذبہ اپنے دل میں محسوس نہیں کرتیں، اسی لیے میری شکل دیکھ کر آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے بجائے چہرے پر تناؤ آ جاتا ہے...... بہر حال میں ایک ایماندار شخص ہوں، اور زندگی کا یہ اہم معاملہ بھی ایمانداری کی بنیاد پر نبٹانا چاہتا ہوں اور آپ سے بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ آپ بھی یہ فیصلہ کسی زبردستی، دباؤ یا مجبوری کے بغیر پوری ایمانداری کے ساتھ کریں، بس اسی لیے آپ کو زحمت دی تھی۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”تو جس لیے زحمت دی ہے وہ کام کریں ناں......؟“ وہ اس کی خفگی کا مزہ لیتے ہوئے بولی۔

”آپ......!“ وہ جھنجلایا...... ”کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“

”جی ہاں......“ عائلہ نے زور سے سر ہلایا۔

”باوجود اس کے کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتیں......؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ آپ کو کس نے بتایا؟“ عائلہ نے اس کی طرف دیکھا۔

”کسی نے نہیں...... میرا خیال ہے......“ وہ آہستہ سے بولا۔

”دیکھیے اگر آپ میری زبان سے اعترافِ محبت سننا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا...... اس وقت کا جب یہ آپ کا حق بن جائے...... ابھی نہیں...... میری اس معاملے میں سوچ بڑی واضح ہے۔ کسی کو شادی کے لیے پسند کرنا غلط نہیں...... شادی اگر نصیب میں ہو تو اس سے ضرور ہوگی اور حیا کا، بالخصوص ایک عورت کی حیا کا تقاضا یہی ہے کہ بعد کے مراحل اس شرعی رشتے کے قیام کے بعد ہی طے کیے جائیں تو اچھا ہے بلکہ درست ہے...... عورت کا وقار اسی میں ہے شاہنواز صاحب، ورنہ وہ اگر دوسروں کے بڑھے ہوئے ہر ہاتھ پہ لپک جائے یا

کہیں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے کوئی قدم غلط اٹھالے تو اس کی کیا عزت رہ جاتی ہے......!" اس نے اس کے سوال کا مدلل جواب دے ڈالا۔

"آئی ایم سوری......!" شاہنواز بری طرح شرمندہ ہوگیا۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔

"میں کل ہی امی اور بابا کو آپ کی طرف جانے کا کہوں گا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اس نے آہستہ سے سرہلایا۔

"مجھے آپ پر فخر ہے...... پہلے مجھے آپ صرف اچھی لگی تھیں...... اب میں دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں۔" وہ کچھ لمحے ٹھہر کے پھر بولا۔

وہ پھر بھی خاموش رہی...... باقی کا راستہ خاموشی سے طے ہوا، دونوں اپنی، اپنی سوچوں میں گم رہے...... گیریژن کلب آگیا...... شاہنواز نے گاڑی پارک کر کے، جھٹ اتر کے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ اس کے انداز میں خلوص کے ساتھ احترام بھی شامل تھا۔

عائلہ نے قدم باہر نکالا...... وہ دونوں سُبک خرامی سے آگے کی طرف بڑھ گئے۔

"میری زندگی کا ایک باب آج بند ہوا اور دوسرا کھلنے جارہا ہے...... میں پوری ایمانداری کے ساتھ یہ نیا سفر شروع کروں گی جس میں نہ دل میں کوئی ملال ہوگا اور نہ کوئی جھوٹ......" عائلہ نے ساتھ چلتے ہوئے شاہنواز کو دیکھ کر اپنے دل میں عہد کیا۔

☆☆☆

ڈنر بہت کامیاب رہا تھا...... شاہنواز اسے ڈراپ کر گیا تھا۔ عائلہ کو محسوس ہوا جیسے اس کے دل ودماغ سے ہر قسم کا بوجھ ہٹ گیا ہو...... شاہنواز سے ملاقات بہت ضروری تھی...... ایک خوش آئند زندگی کا پہلا آغاز......

دونوں نے بہت اچھے موڈ میں ڈنر کیا تھا، اپنی پسند ناپسند ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کی تھیں اور حیرت انگیز طور پر دونوں کی سوچوں میں بہت مماثلت تھی۔ رات وہ بہت دیر تک شاہنواز کی باتوں کو یاد کرتی رہی...... نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی...... مگر پہلی بار یہ بے خوابی اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"امید ہے کہ ہم دونوں مل کے بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔" شاہنواز کا کہا ہوا جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔

"انشاء اللہ۔" وہ زیرِلب بولی۔ دفعتاً موبائل کی بیپ نے اسے چونکادیا۔

سلمان کا میسج تھا...... وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی...... کہانی کے ولن کے بارے میں تو وہ ایک دم بھول گئی تھی اس نے سوچا...... پھر اسے ہنسی آگئی...... سلمان کا ہیرو سے ولن تک کا سفر اس کے دل میں چند لمحوں میں طے ہوگیا تھا...... ایک نئی ٹینشن...... اس نے میسج پڑھا اور فوراً ہی جواب ٹیکسٹ کردیا۔

"please don't" چند لمحوں کے بعد اس کا جواب موصول ہوا۔

"why ?" عائلہ کا خوشگوار موڈ ایک دم خراب ہوگیا...... زندگی میں آنے والے پہلے خوب صورت ڈنر کا سارا مزہ زائل ہونے لگا۔

"اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔" اس نے جواب لکھا۔

"تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں......؟" اس نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" اس نے تحریر کیا۔

"تم بے وقوفی کررہی ہو...... تم میرے ساتھ میرے گھر میں بہت خوش رہوگی......" سلمان نے ایک کوشش کی۔

"میرے خیال میں، میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی......" عائلہ کا جواب سلمان کے لیے غیر متوقع تھا...... وہ چند لمحے اسکرین کو گھورتا رہا ہوگا...... یہ عائلہ نے سوچا۔

"مجھ میں کیا خرابی ہے......؟" اس نے پھر پوچھا۔

"آپ بہت کامیاب انسان ہیں، زندگی میں جو چاہا حاصل کرلیا...... اور جو چیز بھی آپ کی مرضی کے راستے میں رکاوٹ بنی آپ نے اسے ایک ٹھوکر سے دور پھینک دیا...... آپ اصول پرست ہوں گے، محنتی بھی ہوں گے مگر ایک کامیاب انسان ہونے کا مطلب اچھا انسان ہونا ہرگز نہیں ہوتا...... میں نے بہت سوچا...... اور میں اس فیصلے پر پہنچی ہوں کہ مجھے کامیابیوں کے پہاڑ سر کرنے والے کی نہیں صرف ایک دل جیتنے والے کی

ضرورت ہے...... اور افسوس یہ ہنر آپ کو نہیں آتا...... آپ دل جیتتے نہیں بلکہ آرام سے توڑ دیتے ہیں...... بیٹھ کے سوچیں آپ کی کامیابیوں اور آپ کی خواہشوں کی تکمیل کے اس سفر میں کتنے دلوں کی کرچیاں شامل ہیں۔" عائلہ نے میسج بھیج کر اپنا فون آف کردیا۔ اب وہ سکون سے سونا چاہتی تھی۔

"تمہاری کامیابی کے اس سفر میں سب سے پہلے میرے ٹوٹے دل کی کرچیاں شامل ہوئی تھیں سلمان وقاص...... لیکن یہ بات تمہیں کبھی معلوم نہیں ہوئی اور ہونی بھی نہیں چاہیے تم بس اپنے گمان میں رہو......" اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے سوچا۔ انسان کی زندگی میں کئی کمزور لمحے آتے ہیں...... عائلہ ایسے ہی کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کے غلط فیصلہ کرنے سے بال بال بچ گئی تھی۔

☆☆☆

پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد اگلی صبح اس کے لیے اضمحلال کا تحفہ لے کر آئی تھی۔ وہ بستر پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ آج اسپتال میں آف تھا ورنہ وہ شاید اس وقت اسپتال جانے کے قابل بھی نہیں تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ عائلہ جسے اس نے ساری عمر بے وقوف، احمق اور ڈرپوک لڑکی سمجھ کے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی وہ اسے اس بری طرح دھتکار کے مسترد بھی کرسکتی ہے...... اسے کم ازکم عائلہ سے یہ توقع نہیں تھی۔

عائلہ سے شادی کر کے وہ ایک تیر سے کئی شکار کرنے جارہا تھا، ماں، باپ کی پرانی خواہش کو پورا کرنا اور ان کی خدمت کے لیے ہمہ وقت عائلہ جیسی خدمت گار بہو کا حصول، ایمان کا غرور توڑنا اور اپنی برباد زندگی کو آباد کرنا...... عائلہ کی ایک ہاں سے کتنے مسئلے حل ہوجاتے اور ایک نہ نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔ وہ جھنجلا کے سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ دروازے پر دستک کی آواز کے ساتھ فیض کی آواز ابھری۔

"چھوٹے صاحب، بیگم صاحبہ پوچھ رہی ہیں گیارہ بج رہے ہیں آپ ناشتے کے لیے نیچے آرہے ہیں یا آپ کا ناشتا اوپر لے آؤں......؟"

"مجھے آج ناشتا نہیں کرنا ہے۔" وہ کوفت کے عالم میں بولا۔ جواب میں فیض کے قدموں کی چاپ کی آواز ابھری...... وہ واپس جارہا تھا۔

"کیا زندگی بدل رہی ہے......؟ دوسروں کو نہ کرنا جس قدر آسان ہوتا ہے دوسروں کے منہ سے نہ سننا اسی قدر مشکل......" ایمان کے بعد عائلہ کے منہ سے نہ سننا اس کی انا کی شکست تھی جو اس سے برداشت نہیں ہورہی تھی۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے غصے سے دروازے کو گھورا...... تنتنا کے اٹھا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا...... سامنے کا منظر دیکھ کے جیسے ساکت ہوگیا۔

☆☆☆

ائرپورٹ سے باہر نکل کر اس نے ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ ہر چیز بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ اس کی زندگی

کی طرح......

''بابا ہمیں لینے نہیں آئے......؟'' اس کے یوں چاروں طرف نظر دوڑانے سے ایان نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔

''نہیں......'' اس نے قدم آگے بڑھائے۔

''کیوں......؟ وہ حیران ہو کے بولا۔

''اس لیے کہ میں نے انہیں آنے کا نہیں بتایا تھا۔''

''وہ کیوں......؟'' اس نے رک کر پوچھا۔

''سرپرائز......'' وہ مسکرائی۔

''لیکن اب ہم ان کے گھر تک کیسے پہنچیں گے؟'' وہ پریشان ہو گیا۔

''میرے پاس ان کا ایڈریس ہے۔'' اس نے کیب کو اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ڈرائیور کو پتا سمجھا کر وہ سامان گاڑی میں رکھوا کے بچوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

اسے سلمان سے ملنے کی ذرہ برابر خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنے مہینے الگ رہنے کے بعد بغیر کسی خیر خبر کے اس وقت سلمان اور اس کے ماں، باپ کا انہیں دیکھ کر کیا ری ایکشن ہوگا......؟ ''ایشیائی مردوں کو دوسری شادی کرنے کا بھی تو بہت شوق ہوتا ہے، ہو سکتا ہے وہاں ہمارے استقبال کے لیے مسز سلمان بھی موجود ہوں......'' اس نے طنزیہ انداز میں سوچا۔

اس نے ایک نظر بچوں پر ڈالی...... ایان شوق اور دلچسپی سے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا اور مریم کیری کاٹ میں بے خبر سو رہی تھی...... گاڑی اسلام آباد کی سڑکوں پر رواں دواں تھی...... کچھ برس قبل جب وہ سلمان کے ساتھ یہاں آئی تھی تو وہ بھی بہت ایکسائٹڈ تھی...... سلمان کے ساتھ مطمئن اور خوش تھی مگر سلمان نے تحفظ کا احساس اسے دے کر چھین لیا تھا...... اب شاید ساری عمر وہ ویسا اطمینان محسوس کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی...... اس کا بھروسا ٹوٹ چکا تھا...... سلمان اس کے ساتھ رہتا یا نہیں اسے اس بات سے اب کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا...... مگر بچے...... شاید ان کو فرق پڑتا...... وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ کر شاید کھوئے تحفظ کے اس احساس کو پانے میں کامیاب ہو جاتے...... اس کے یہاں آنے کا واحد مقصد یہی تھا۔

''ہم صحیح سمت جا رہے ہیں ناں......؟'' اس نے کیب کے ڈرائیور سے دریافت کیا۔

''جی میڈم...... راستہ میرا دیکھا بھالا ہے، کئی دفعہ یہاں آ چکا ہوں آپ بالکل فکر مت کریں......'' اس نے تسلی آمیز لہجے میں جواب دیا۔

ایمان کے ہونٹوں پر ایک زخم خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ کبھی کبھی دیکھے بھالے راستے بھی اجنبی ہو جاتے ہیں...... اور جو راستے گم ہو جائیں ان پر سفر تھکا تا ہی ہے...... لیکن منزل کی طلب میں پاؤں کے چھالے کون گنتا ہے...... اس کا ایسا ہی حال تھا۔

☆☆☆

''لڑکی تم کہاں غائب ہو...... فوراً آ جاؤ۔'' وہ اپنی زندگی کی اس خوشگوار صبح بہت فریش تھی، کافی کا مگ لے کر بیٹھی ہی تھی کہ چاچو کا فون آ گیا۔

آج اس کا کہیں جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا، بالخصوص چاچو کے گھر جہاں وہ سلمان کا سامنا بالکل کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ کوئی مناسب بہانہ سوچ ہی رہی تھی کہ چاچو دوبارہ بولے...... ''بریکنگ نیوز ہے، ایسی کہ تمہیں یقین ہی نہیں آئے...... جلدی سے آ جاؤ......'' انہوں نے اس کا جواب سنے بغیر کال منقطع کر دی۔

''بریکنگ نیوز......؟ کیا ہو سکتی ہے۔'' وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ چاچو کا لہجہ اور ان کا انداز کہیں سے بھی پریشانی والا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کافی پُرجوش نظر آ رہے تھے۔ عائلہ نے وہاں جانے کے لیے کار کی چابیاں اٹھائیں۔

☆☆☆

گھر کے اندر کاریڈور میں قدم رکھتے ہی اسے چاچو کے قہقہے کی آواز سنائی دی...... کسی بچے کے رونے کی آواز...... وہ حیران رہ گئی، کون آیا ہوا ہے......؟ آوازیں لاؤنج سے آ رہی تھیں...... وہ اسی طرف بڑھ گئی۔

اندر کا منظر واقعی اس کے لیے غیر متوقع تھا......

سب سے پہلے چاچی پہ نظر پڑی۔ چاچی کی گود میں کوئی بچہ تھا، غالباً بچی کیوں کہ اس کے کپڑے پنک کلر کے تھے، ننھی سی بچی...... چاچو کی اس کی طرف پیٹھ تھی چاچو کے برابر میں سنہرے بالوں والا کوئی بچہ تھا...... اور دائیں جانب...... سلمان کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی......

''ایمان......'' اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔

''السلام علیکم......'' وہ آگے بڑھی۔

''وعلیکم السلام...... آؤ بھئی آؤ...... دیکھو تو کون آیا ہے؟''

''ایان میٹ یور آنٹی...... عائلہ وقار...... میجر عائلہ وقار......'' چاچو نے پاس بیٹھے ہوئے بچے سے کہا۔

وہ ایان سے ملی، ایمان سے ملی...... اسے وہ لوگ اچھے لگے۔ سلمان اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

شکر تھا کہ وہ نظریں ملانے اور سر اٹھا کے چلنے کے قابل تھی...... جذبات کی رو میں بہہ کر اگر اس نے سلمان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہوتا تو آج اس کا کیا مقام ہوتا......؟ وہ ہمیشہ کے لیے اپنی نگاہوں میں گر جاتی...... ایمان اور ایان کے واپس آنے کے بعد عائلہ...... سلمان کے لیے بھلا کیا اہمیت رکھتی......؟

''لیکن یہ بچی کون ہے......؟'' اس نے چاچی کے برابر بیٹھتے ہوئے سوچا۔

''عائلہ یہ مریم ہے...... سلمان کے پاکستان آنے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔'' چاچی نے شاید اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔

''اوہ......'' اس نے بچی کو آگے بڑھ کے گود میں لے لیا۔ بچی ہو بہو سلمان کی طرح تھی۔ وہی صورت اور ویسی ہی مسکراہٹ......

''آج میں بہت خوش ہوں عائلہ...... میری فیملی مکمل ہو گئی ہے...... اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایمان نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے......''

''بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ مریم کی پیدائش کے بعد اس سے زیادہ صحیح فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔'' چاچو نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر اس فیصلے کی وجہ مریم کی پیدائش نہیں، مریم کے باپ کی غیر موجودگی ہے...... بیٹیوں کو باپ کی بہت ضرورت ہوتی ہے اگر مریم کا باپ اس کی پیدائش پر وہاں موجود ہوتا تو شاید میں یہ فیصلہ کبھی نہ کرتی لیکن اب مجبوری ہے۔'' مگر عائلہ کے بولنے سے پہلے ایمان بول اٹھی۔ ایمان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

اس معاشرے کے لوگوں کی یہ بات اچھی ہوتی ہے کہ وہ گی لپٹی نہیں رکھتے۔ عائلہ نے سلمان کے دھواں، دھواں چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تم بہت سمجھدار اور اچھی بچی ہو۔'' چاچو اسے دیکھ کے مسکرائے۔

''جب مصیبت سر پر پڑتی ہے تو سمجھ خود بخود آ جاتی ہے۔'' ایمان آہستہ سے بولی اور طنزیہ ہنسی۔

''میرے والد تیمور آفریدی نے بھی کئی برس پہلے یہی کیا تھا...... وہ مجھے اور میری ماں کو بے آسرا چھوڑ کے پاکستان چلے آئے تھے...... ہم نے ان کے بغیر بہت مشکل وقت گزارا اور میں یہ سب کچھ اپنی بیٹی کے ساتھ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی...... میں نہیں چاہتی کہ سلمان یا میری ضد ایک دن ایسا لائے کہ مریم بھی اپنے باپ کو صرف تصویر کی شکل میں ہی پا سکے...... اور پھر اس کی تصویر سے بھی نفرت کرنے لگے اور جوان ہونے کے بعد ہر پاکستانی کو دیکھ کے چونک جائے اور اس سے جا کر پوچھے کہ کیا تم سلمان وقاص کے ملک سے آئے ہو اور کیا تم اسے جانتے ہو......؟'' سلمان نے اسے چونک کے دیکھا، اسے اپنی اور ایمان کی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔ چاچو اس کی بات مکمل ہوتے ہی اٹھ کے اس کے قریب جا بیٹھے...... اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''آج سے تم وقاص احمد کی بیٹی ہو...... جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ...... اب یہ گھر تمہارا اور ان بچوں کا ہے اور ہم تمہارے ماں، باپ ہیں۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

عائلہ کو ایمان اچھی لگی تھی...... اس کا انداز، اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا...... ساری کہانی عائلہ کی سمجھ میں آ چکی تھی...... اسے دل ہی دل میں ہنسی آئی۔

''واہ سلمان صاحب واہ...... آپ کسی رشتے کو تو بخش دیں...... ہر جگہ اپنی چلانے اور دوسروں کو زیر کرنے میں آپ کو کیا مزہ آتا ہے......؟'' عائلہ نے بغور ایمان کی طرف دیکھا...... وہ ہنس ہنس کے چاچو سے کچھ کہہ رہی تھی...... ایان دادی کے پاس بیٹھا انہیں کچھ بتا رہا تھا۔ سلمان کی بیٹی اب سلمان کی گود میں تھی اور سو چکی تھی...... سلمان سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے ہار گیا ہو...... سچ تو تھا ایمان، سلمان کے مقابلے میں اپنی ضد چھوڑ کے، ہار کے بھی جیت چکی تھی اور سلمان جیت کے بھی ہار گیا تھا۔ اسے

سلمان کی شکست مزہ دینے لگی...... ایک شکست اُسے ایمان نے دی تھی اور پچھلی رات کو ایک مات اُسے وہ خود دے چکی تھی۔

''اب تمہارے ہارنے کے دن آگئے ہیں سلمان وقاص......'' اس نے سوچا۔

دوپہر میں کھانا اس نے اور ایمان نے مل کے تیار کیا...... وہ لمبے سفر سے ضرور آئی تھی مگر اپنے گھر آئی تھی...... چاچی اسے کچن میں کام کرتا دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں...... خود عائلہ کی اور اس کی دوستی فوراً ہی ہو گئی تھی۔

چاچو مسلسل ایان کے ساتھ لگے رہے...... مریم آرام سے سوتی رہی...... صرف سلمان تھا جو تنہا بیٹھا اپنے موبائل سے کھیل رہا تھا۔

ایمان نے بڑے مزے کی چیزیں تیار کی تھیں اس کے بنائے ہوئے اسٹیک اور مختلف اقسام کی سلاد کا الگ ہی مزہ تھا۔

''شکر ہے اب مجھے زندگی کے اس آخری دور میں قدرے بہتر اور صحت بخش کھانے، کھانے کو ملیں گے...... آخر میری ڈاکٹر بہو کے ہاتھوں کا کمال ہے......'' چاچو کھانے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے بولے۔

خلافِ توقع ان کی اس بات پر چاچی چڑنے کے بجائے مسکرا کر بولیں۔

''ڈاکٹر بہو ہے...... سارا وقت گھر میں بیٹھی کھانے تھوڑا ہی بنایا کرے گی، وہ اپنی ڈگری آپ کے چولھے کی نذر کرنے لائی ہے کیا......؟''

''نہیں امی، میں ابھی جاب نہیں کروں گی۔ بعد میں سوچوں گی، مریم تھوڑی بڑی ہو جائے، تب تک مجھے یہاں کے ماحول کی بھی سمجھ آ جائے گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہ بالکل ٹھیک...... یہی مناسب ہے۔'' چاچو فوراً بولے۔

شام کی چائے پیتے پیتے چھ بج چکے تھے...... وہ واپسی کا سوچ رہی تھی...... دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔

چاچو اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھے اور فون ان سے نزدیک تھا...... انہوں نے کال ریسیو کی...... دوسری طرف کی گفتگو سن کے ان کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے اور انہوں نے زوردار انداز میں کہا۔

''بہت بہت مبارک ہو...... اور ایک خوشخبری میں بھی سناتا ہوں، میری بہو میرے پوتے اور پوتی کے ہمراہ پاکستان آگئی ہے...... ہاں، ہاں ہمیشہ کے لیے......'' وہ مسکرائے۔ پھر مختصر سی بات کر کے فون بند کر دیا اور چاچی کی طرف دیکھ کر بولے۔

''آج کا دن واقعی مبارک ہے۔ سب کو مبارک ہو...... عائلہ کا رشتہ شاہنواز کے ساتھ طے ہو گیا ہے...... اگلے مہینے کی پچیس کو شادی ہونا طے پائی ہے...... انشاء اللہ......'' چاچو کی آواز فرطِ جذبات سے لرز رہی تھی۔

سلمان زور سے چونکا...... اس کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرت تھی۔

چاچو اٹھ کے عائلہ کے قریب پہنچے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے آبدیدہ ہو گئے۔

''میری بیٹی کی رخصتی کا وقت قریب آگیا ہے...... اب یہ پرائی ہو جائے گی۔'' عائلہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے جو پلکوں کی حدود پھلانگتے ہوئے گالوں پر بکھر گئے۔ چاچی نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اب بس بھی کریں، آپ نے تو رُلا دیا بچی کو۔'' وہ چاچو کی طرف دیکھ کر بولیں۔

چاچو آنسو پیتے ہوئے واپس اپنی جگہ جا بیٹھے اور چاچی اسے لیے ہوئے اپنی جگہ آ گئیں...... ایمان نے اسے مبارک باد دی جسے عائلہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے مسکرا کر قبول کی۔

''بھئی بریگیڈیر بخاری اپنی فیملی کے ساتھ وقار بھائی کے گھر میں موجود ہیں...... شاہنواز بھی وہیں ہے...... معاملات طے کیے جا رہے ہیں۔'' بریگیڈیر وقاص نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائے۔

''شاہنواز کے والدین تو خیر کراچی ہی میں سیٹل تھے مگر شاہنواز تو کل رات تک پنڈی میں تھے اور انہوں نے کراچی روانگی کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب اچانک......'' وہ حیران ہو کے سوچنے لگی۔

''دراصل وقار بھائی لڑکے سے ملنا چاہتے تھے اس لیے شاہنواز آج صبح کی فلائٹ سے کراچی روانہ ہو گیا تھا۔'' چاچو نے گویا اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔

''اپنی ہیرے جیسی بیٹی ایسے ہی تو نہیں کسی کو تھما دیں گے...... اچھی طرح اطمینان کریں گے ہی......'' چاچی بھی مسکرائیں۔

''ہیرا جوہر شناس کو ملے تو ہی اچھا ہے...... ورنہ نا قدرے تو اسے پتھر سمجھ کے مٹی میں رول دیں گے......'' بریگیڈیر وقاص ایک دم بول اٹھے۔ سلمان پہلو بدل کے رہ گیا۔

شام ڈھل چکی تھی...... رات کے سائے آہستہ آہستہ پر پھیلا رہے تھے...... اس نے چونک کے گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا......؟'' چاچی چونک کے بولیں۔

''کچھ نہیں بس اب چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اگر کل ورکنگ ڈے نہ ہوتا تو تمہیں آج یہیں روک لیتا۔'' چاچو نے اسے محبت سے دیکھا۔

''چھٹیاں پلان کرو تو یہاں ایک دو دن رہ کے جانا۔'' چاچی اسے گلے لگا کر بولیں۔

''ابھی تو کافی وقت ہے......'' وہ جھینپ کے بولی۔

''تم سب لوگ بھی تیاری کرو...... ہم سب عائلہ کے ساتھ ہی کراچی جائیں گے۔'' چاچو پُرجوش ہو کے بولے۔

''بالکل، بالکل کیوں نہیں......'' چاچی مسکرائیں۔

وہ مسکرانے لگی اور سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

ڈرائیو وے میں کھڑی اپنی کار کی طرف بڑھی تھی کہ پیچھے سے آنے والی سلمان کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''تم نے درست کہا تھا کہ میں واقعی اچھا انسان نہیں ہوں۔'' وہ چونک کے مڑی...... سلمان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ جواب میں وہ کچھ نہیں بولی، بس سلمان کی شکل دیکھنے لگی۔

''کل رات سے پہلے مجھے میری اس خامی کا بالکل احساس نہیں تھا اور جب ہوا تو میں پوری رات جاگتا رہا ہوں...... اپنا تجزیہ کرتا رہا ہوں اور تمہاری کہی ہوئی ہر بات کی کسوٹی پر خود کو پرکھتا رہا ہوں......'' وہ سانس لینے کو رکا ایک گہری سانس لی اور دوبارہ آہستہ سے بولا۔ ''آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ تم واقعی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ مجھے میری غلطی کا احساس ہو گیا ہے...... ترقی، کامیابی اور آگے بڑھنے کی دُھن اپنی جگہ درست لیکن خود سے وابستہ رشتوں اور ان کی اہمیت کو سمجھنا انسان کو اندر سے مطمئن اور مضبوط رکھتا ہے...... اب سمجھ میں آیا کہ ساری کامیابیوں کے باوجود میں اندر سے تنہا کیوں ہوتا جا رہا تھا...... اب ایک خلش سی کیوں محسوس ہوتی ہے......'' وہ سر جھکائے اعتراف کر رہا تھا...... وہ اعتراف جو شاید عام حالات میں وہ اپنے سامنے بھی نہ کرتا کجا کہ عائلہ وقار کے سامنے...... عائلہ سر جھکائے سنتی رہی۔

''مجھے تم سے معذرت بھی کرنی ہے۔'' اس نے سر اٹھا کے عائلہ کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر عائلہ کے دل کو ایک دم کچھ ہوا...... وہ سلمان کا چہرہ نہیں تھا...... غرور...... فخر...... اور کامیابیوں کی خود اعتمادی کی جگہ اس کی پیشانی پہ عرقِ ندامت اور آنکھوں میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے لیے شاہنواز کا پروپوزل آیا ہوا ہے ورنہ میں...... یہ بے وقوفی ہرگز نہیں کرتا...... مجھے افسوس ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''بے وقوفی......؟'' عائلہ کے دل میں کوئی چیز زور سے چبھی۔

''سچ ہی تو ہے تمہارے اور میرے درمیان جو کچھ بھی تھا، ہے یا ہوتا اس کے لیے سب سے بہترین عنوان بے وقوفی ہی ہے۔'' عائلہ نے سوچا۔ عائلہ خود پر جبر کر کے مسکرائی۔ ''کوئی بات نہیں جو کچھ بھی ہو چکا ہے اب سب کو بھول جائیں...... آپ کو آپ کی غلطیوں کا احساس ہونا ہی بہت ہے...... یہاں سب آپ کے اپنے ہیں اور اپنوں کا ظرف بہت بڑا ہوتا ہے...... چاچو اور چاچی بہت خوش ہیں، ان دونوں کو، ایمان کو اور آپ کے بچوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے، آگے کا سفر اگر آپ سوچ کی اس تبدیلی کے ساتھ طے کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ خود بھی خوش رہیں گے اور ان سب کو بھی خوش رکھ سکیں گے...... اور ہاں جائیں یہ یقین ایمان کو بھی دلا دیں، وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کے آپ تک پہنچی ہے۔'' عائلہ کہتی چلی گئی...... سلمان نے اثبات میں سر ہلایا۔ عائلہ اپنی کار میں بیٹھی اور کار ریورس کر کے مین گیٹ کا رخ کیا۔ سلمان اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا، اس کے گیٹ سے نکلتے ہی سلمان نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔

”میرے لیے یہ پروٹوکول اور سلمان وقاص......؟“
اس نے جواباً ہاتھ ہلایا اور واپسی کے راستے پر رواں ہوگئی۔

وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، یوں جیسے کسی بوجھ سے آزاد ہوگئی ہو...... کمرے میں پہنچ کے اس نے گہری سانس لی۔ میسج کی ٹونز اسے لگا تار سارے راستے سنائی دیتی رہی تھیں اس نے بیگ سے موبائل نکالا۔ مما، بابا، شہلا آپا، نائلہ آپا، کاشف، عائزہ اور میجر شاہنواز کے میسجز تھے...... باری باری وہ سب کے میسجز پڑھنے لگی...... سب نے اسے مبارک باد اور دعائیں بھیجی تھیں...... مما اس وقت سمدھیانے والوں کے ساتھ مصروف تھیں رات میں فون کرنے کو کہا تھا۔ شہلا آپی کا پیغام شرارت بھرا ہوا تھا، خاص طور پر ان کا آخری جملہ اس نے بہت انجوائے کیا انہوں نے لکھا تھا...... ”بہت ہی نیک اور شریف ہیں تمہارے ساس اور سسر جو لڑکی دیکھے بغیر ہی رشتہ پکا کر رہے ہیں، تم یہاں ہو بھی نہیں اور وہ تمہارے لیے ہیرے کی انگوٹھی بھی لے آئے ہیں اور وہ بھی بالکل صحیح ناپ کی......“

وہ مسکراتے ہوئے پاؤں پھیلا کے بیٹھ گئی...... اب وہ شاہنواز کا میسج پڑھنے جا رہی تھی۔ جو سب سے طویل تھا...... اس نے لکھا تھا۔

”بہت ہی خوب صورت رات ہے...... تمہارے اس خوب صورت لونگ روم میں اس وقت تنہا بیٹھا تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں...... سب لوگ دوسرے کمرے میں بیٹھے میری اور تمہاری باتیں کر رہے ہیں اور میں کال کے بہانے یہاں آ گیا ہوں......

کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور آسمان پر پورا چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے...... بالکل تمہاری طرح، کبھی سامنے آجاتا ہے تو کبھی چھپ جاتا ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں باغیچے میں کھلے پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو کے جھونکوں کی صورت میں اندر آ رہی ہیں...... میرے عین سامنے دیوار پر جو پینٹنگ آویزاں ہے اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ تم نے اپنے کالج کے زمانے میں بڑے شوق سے بنا کے یہاں لگائی تھی...... یہ پینٹنگ گو آرٹ کا کوئی لاجواب شاہکار نہیں ہے مگر تمہارے والدین نے اسے بڑے اہتمام سے سالوں سے یہاں سجایا ہوا ہے......

عائلہ بس یہی زندگی ہے اگر سمجھو تو...... تمہاری محبت اور محنت کو تمہارے والدین نے اس کی خوبیوں یا خامیوں سے مبرا ہو کے قبول کیا ہے اور اسے اہمیت دی ہے...... میرے نزدیک انسانی جذبوں اور اس کے خالص پن سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں...... یہ بات میں نے اپنی زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں سے سیکھی ہے اور تمہیں بھی یہی سمجھانا چاہتا ہوں...... میں تمہیں تمہاری خوبیوں اور خامیوں سمیت بہت خلوص سے اپنانے جا رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم بھی مجھے اسی طرح قبول کرلوگی...... یقین کرو زندگی بہت اچھی گزر جائے گی...... ٹھیک ہے ناں......؟“

”مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا......“ وہ آہستہ سے مسکرائی۔

باہر ہوائیں ایک دم تیز ہوگئی تھیں...... اس نے اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کھولی خوشگوار جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا...... کراچی والے تو ایسی ہواؤں کے عادی ہیں مگر اسلام آباد میں ایسی ہوائیں اپنے ساتھ بارش کا پیغام لے کر آتی ہیں، اس نے آسمان کی طرف دیکھا جو بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا...... تھوڑی دیر پہلے تو ایسا نہیں تھا...... چاند تارے سب منظر سے غائب تھے...... موسم ایسے ہی بدل جایا کرتے ہیں...... اچانک ہی منظر بدل جاتا ہے جیسے اس کی زندگی میں اچانک سب کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔

محبت کیا ہے......؟ کوئی طے شدہ فارمولا نہیں، نہ کوئی تفریق یا ضرب کا سوال...... محبت یا تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی...... اٹھارویں اور اکیسویں صدی کی محبت میں فرق تو ہونا ہی چاہیے...... کمزور، روتی، سسکتی محبت اتنا تو کر ہی سکتی ہے کہ تھوڑی سی طاقت ور ہو کے اپنا مقام تبدیل کرلے...... اس سے اس کے خالص پن میں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ حق دار کو حق مل جاتا ہے...... اسے شاہنواز سے محبت ہونے لگی تھی اور ہونی چاہیے بھی تھی۔

تیز ہوائیں بادلوں کو اُڑا لے گئیں...... آسمان پھر سے صاف ہوگیا اور چاند پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوگیا۔

ختم شد